جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ
مارچ ۲۰۱۷ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- اصلاحِ مُعاشرہ کا قرآنی تصوّر (مسلسل)
  بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- علماء، خطباء اور ائمۂ مساجد کے نام
  حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ کا آخری مکتوب

داعی رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول: سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات:360، قیمت475روپے

حصہ دوم: سورۃ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
صفحات 321، قیمت 425روپے

حصہ سوم: سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
صفحات 331، قیمت 425روپے

حصہ چہارم: سورۃ یُونس تا سورۃ الکہف
صفحات394، قیمت485روپے

حصہ پنجم: سورۃ مریم تا سورۃ السجدۃ
صفحات 480، قیمت575روپے

حصہ ششم: سورۃ الاحزاب تا سورۃ الحجرات
صفحات484، قیمت590روپے

حصہ ہفتم: سورۃ قٓ تا سورۃ النّاس
صفحات560، قیمت650روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور
شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 66
شمارہ : 3
جمادی الاُخریٰ 1438ھ
مارچ 2017ء
فی شمارہ -/30

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک	300 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عنوان	مصنف	صفحہ
عرضِ احوال		5
دہشت گردی کی بنیاد کو ختم کرنا ہوگا!	ادارہ	
بیانُ القُرآن		9
سورۃ القصص (آیات ۶۰ تا ۸۸)	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	
تعمیرِ سیرت و کردار		31
اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور (۵)	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	
منبر ومحراب		51
علماء وخطباء اور ائمہ مساجد کے نام	مولانا سلیم اللہ خانؒ	
حسنِ معاشرت		58
غیبت کی حرمت وشناعت اور علاج (۳)	جمیل الرحمٰن عباسی	
انوارِ ھدایت		75
اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	
حقوقِ نسواں		80
قتلِ غیرت کا قانون: غیر شرعی پہلوؤں کا جائزہ	ملی مجلسِ شرعی	
نقد و نظر		95
جناب جاوید غامدی اور جماعتِ احمدیہ لاہور کس مخمصے میں ہیں؟	محمد سفیر الاسلام	

دہشت گردی کی بنیاد کو ختم کرنا ہوگا!

حالیہ دنوں میں دہشت گردی کے پے در پے کئی واقعات رونما ہوئے۔ پہلے جنوبی وزیرستان میں سکیورٹی اہلکاروں کو نشانہ بنایا گیا' پھر ۱۳ فروری کو لاہور میں خون کی ہولی کھیلتے ہوئے دو سینئر اور قابل ترین پولیس آفیسرز سمیت کئی قیمتی جانیں لی گئیں' جس سے پورا شہر سوگوار ہوگیا۔ اگلے دن کوئٹہ میں بم کو ناکارہ بناتے اہلکار جاں بحق ہوگئے۔ سلسلہ یہیں پر نہیں رکا بلکہ ۱۵ فروری کو پشاور اور مہمند ایجنسی میں دہشت گردی کے واقعات ہوئے' ۱۶ فروری کو سیہون میں لعل شہباز قلندر کے مزار پر دہشت گردی کے واقعہ میں ۹۰ کے قریب افراد جاں بحق اور تقریباً ۲۵۰ زخمی ہوئے۔ ۱۸ فروری کو ڈیرہ اسماعیل خان میں دہشت گردوں نے پٹرول پمپ پر کھڑی پولیس وین پر فائرنگ کردی۔ ۲۱ فروری کو چارسدہ میں کچہری کے باہر دہشت گردی کے حملے میں سات افراد شہید اور کئی زخمی ہوگئے۔ اس موقع پر پولیس کا کردار انتہائی قابلِ تحسین رہا کہ جس نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر ملک وقوم کو کسی بھی بڑے سانحہ سے بچا لیا' ورنہ کئی قیمتی جانیں ضائع ہوسکتی تھیں۔

دہشت گردی کا یہ عفریت کافی عرصہ بعد ایک مرتبہ پھر سر اُٹھا کر ہمارے عزم کو للکار رہا ہے۔ خاص طور پر نیشنل ایکشن پلان جو بنایا گیا تھا تو دہشت گردی کی حالیہ لہر کے بعد اس پر کافی سارے سوالات اُٹھائے جارہے ہیں اور یہ بحث بھی چل رہی ہے کہ نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد صحیح طریقے سے ہوا یا نہیں ہوا' حکومت اور عسکری ادارے اس حوالے سے ایک پیج پر تھے یا نہیں تھے؟ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ اگر نیشنل ایکشن پلان پر سو فیصد عمل ہو بھی جاتا تو کیا دہشت گردی بالکل ختم ہوسکتی تھی؟ یہ ٹھیک ہے کہ تھوڑا عرصہ دہشت گردی کا یہ طوفان تھم جاتا' جیسا کہ راحیل شریف کے دور میں کچھ عرصہ کے لیے کشت وخون کے بادل چھٹ گئے'

لیکن موسم اور فضا بدلتے ہی یہ خونی برسات پھر شروع ہوگئی۔ تو جب تک آپ جڑ کو چھوڑ کر پتے اور ٹہنیاں کاٹتے رہیں گے تب تک آپ دہشت گردی سے مکمل طور پر پیچھا ہرگز ہرگز نہیں چھڑا سکتے۔ کیمرے' کارروائی' پکڑ دھکڑ' پھانسیاں' فضائی حملے' رینجرز' یہ سب کچھ صرف ٹہنیاں کاٹنے کے مترادف ثابت ہوگا۔ اس سے شاید جزوقتی افاقہ تو ہوجائے مگر مکمل طور پر یہ وبا جان نہیں چھوڑے گی۔ اس بیماری سے مکمل نجات کے لیے آپ کو اس کی جڑ کو پکڑنا ہوگا کہ یہ آئی کہاں سے' کہاں سے پیدا ہوئی؟ اور اس سرزمین کی طرف اس کی آمد کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟

یہ درست ہے کہ انڈیا' افغانستان' ایران اور امریکہ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی میں ملوث ہوسکتے ہیں' اور ہیں بھی' جیسا کہ حالیہ دنوں میں ہی امریکہ کی واشنگٹن فری بیکن ویب سائٹ نے ایک ویڈیو جاری کی ہے جس میں اوباما دور کے سابق وزیر دفاع چک ہیگل کو ۲۰۱۱ء میں کیمرون یونیورسٹی اوکلاہوما میں افغانستان سے متعلق ایک مذاکرے سے خطاب کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے' جس میں سابق امریکی وزیر دفاع صاف اور کھلے الفاظ میں اعتراف کررہے ہیں کہ تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ بھارتی خفیہ ایجنسی دہشت گردوں کو افغانستان میں تربیت دے کر پاکستان میں دہشت گردی کرواتی ہے۔

تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ دنیا بھر کی ان گواہیوں کے باوجود بھی ہم اپنے حق میں جاتے ہوئے اس کیس کو بھی لڑنے سے معذور ٹھہرے۔ حالانکہ ہمارے پاس کل بھوشن یادیو جیسے زندہ اور حاضر سروس ثبوت بھی موجود تھے' لیکن ہم نے وہ محاذ بھی بھارت کے لیے خالی چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ سفارتی محاذ پر ہمارے خلاف گرم بھارتی جنگ کے لمحات میں بھی ہماری وزارت خارجہ کا مورچہ خالی ہی رہا۔ لیکن بالفرض اگر ہماری وزارت خارجہ متحرک بھی ہوتی اور ہم بھارتی دہشت گردی کو بے نقاب بھی کر لیتے تو کیا بھارت اپنی ان گھناؤنی حرکتوں سے باز آجاتا؟ دشمن تو کبھی دشمنی سے باز نہیں آتا اور پھر دشمن بھی وہ جو بھارت جیسا ازلی دشمن ہو' اُس نے تو وار کرنا ہے۔ اسی طرح بیرونی قوتوں خاص طور پر اسلام دشمن طاقتوں نے تو اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرنا ہی کرنا ہے۔ دشمن تو ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ چنانچہ یہ درست ہے کہ انڈیا' ایران اور امریکہ ایک عرصہ سے اس خطہ میں ایک کھیل کھیل رہے ہیں جس کے نتیجے میں پاکستان میں دہشت گردی نے جنم لیا ہے' لیکن اصل اور بنیادی سوال یہ ہے کہ

انہیں اس خون آشام کھیل کا موقع ملا کیسے' کس نے دیا اور کیوں دیا؟ یہی وہ بنیادی سوال ہے جو پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کی جڑ تک ہمیں پہنچا سکتا ہے۔

چنانچہ ہمارے پالیسی سازوں' دانشوروں اور فیصلہ سازوں کو بار بار اس بنیادی نکتہ پر غور کرنا چاہیے کہ یہی باجوڑ' وزیرستان اور دیگر قبائلی علاقہ جات کے لوگ تھے جنہوں نے کشمیر کا ایک خطہ آزاد کروا کر پاکستان کو تحفے میں دیا اور یہی وہ افغان پاکستان سرحد تھی جس پر پاکستان آرمی کا ایک مورچہ بھی نہ تھا اور نہ کوئی دفاعی اخراجات تھے' بلکہ بغیر کسی سکیورٹی اور افواج کے یہ سرحد پاکستان کی محفوظ ترین سرحد تھی۔ صرف اس لیے کہ یہ لوگ پاکستان کے محافظ تھے' پاکستان سے انہیں پیار تھا' اور پھر ۱۹۸۴ء تک افغانستان کے یہی لوگ جن سے آج ہمیں شکوہ ہے کہ وہ پاکستان میں آ کر خون خرابہ کرتے ہیں پاکستان کے ساتھ الحاق کے خواہاں تھے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ پاکستان کے یہی محافظ اور محسن آج پاکستان کے دشمن ہو گئے؟

مانا کہ یہ لوگ اب انڈیا کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں' مگر انڈیا تو شروع دن سے افغانستان میں سرگرم ہے' پھر یہ اُس وقت کیوں نہ کھیلے جب ملحقہ سرحد پر پاکستان کا ایک فوجی بھی نہ تھا؟ سچ تو یہ ہے کہ اگر اپنا گھر مضبوط ہو تو دشمن کو موقع کیوں ملے؟ جب تک ہم محض اسلام کی بنیاد پر اخوت کے رشتے میں پروئے ہوئے تھے ہم ایک تھے' متحد تھے اور جغرافیائی تقسیم کے باوجود بھی ہمارے دلوں میں کوئی نسلی' لسانی' علاقائی اور فرقہ وارانہ تقسیم پیدا نہیں ہوئی تھی' بلکہ ہمارے دل ایک دوسرے کے لیے دھڑکتے تھے۔ لیکن جب سے مشرف نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگا کر ایک ملت کی طرح باہم پروئے ہوئے افغان اور پاکستانی معاشرے میں دراڑیں ڈالیں ہیں تب سے امریکہ' انڈیا اور ایران کو بھی اپنا کھیل کھیلنے کا موقع ملا ہے۔ مشرف نے نہ صرف دراڑیں ڈالیں بلکہ افغانیوں کے خلاف امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بن کر افغانیوں پر کارپٹ بمباری کرنے' ان کے بچوں کو یتیم کرنے' ہنستے بستے گھروں میں ماتم کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اپنے اڈے امریکہ کو دے کر ان دراڑوں کو ایک ایسی خلیج میں بدل دیا جس کو پاٹنا آج مشکل ہو رہا ہے۔

چنانچہ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کی بنیادی جڑ وہ مشرف ڈاکٹرائن تھی جس نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگا کر نہ صرف افغانیوں کی پاکستان دوستی اور بھائی

چارے پر تیشہ چلایا بلکہ اندرونِ ملک بھی ماڈریشن' روشن خیالی اور سیکولرازم کے نام پر پاکستانی معاشرے کو مختلف بنیادوں پر تقسیم کر دیا۔ اس ڈاکٹرائن نے یہیں پر بس نہیں کی بلکہ روشن خیالی اور ماڈریشن کے زعم میں ایک خاص سکول آف تھاٹ کو نشانہ بنا کر اس معاشرے میں نفرتوں کا وہ بیج بو دیا جس کی تیار فصلیں آج ہم کاٹ رہے ہیں اور نہ جانے کب تک کاٹتے رہیں گے۔ چنانچہ مشرف ڈاکٹرائن کے نتیجے میں آج ہم جہاں اپنے ہمسایہ مسلم معاشروں کی نفرتوں کا نشانہ بن رہے ہیں وہیں پر اندرونِ ملک بھی مختلف علاقائی' نسلی' لسانی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آج بقول علامہ اقبال ؎

یوں تو سید بھی ہو' مرزا بھی ہو' افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو' بتاؤ تو مسلمان بھی ہو ؟
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟

وہ دشمن جو موقع کی تلاش میں تھے مشرف ڈاکٹرائن کے نتیجے میں اپنے گھر میں پڑنے والی پھوٹ سے آج وہ بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے اہلِ دانش وبینش اور صاحبِ اقتدار و اختیار ہیں کہ دشمن کی اس چال کو سمجھنے کی بجائے ان خطوط پر آگے بڑھ کر اپنے معاشرے کو مزید تقسیم وتخریب کا شکار کرنا چاہتے ہیں۔ ساری پکڑ دھکڑ اور قید و بند کا دائرہ صرف محدود طبقے کے گرد گھومتا صاف نظر آ رہا ہے۔ کئی کئی سالوں سے ''غائب کردہ'' افراد کا پتا تک نہیں چل رہا' ان کی مائیں زندہ یا مردہ کسی بھی طرح کی خبر کو ترس رہی ہیں' جبکہ دوسری طرف چند دین دشمن' سیکولر اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے گستاخ بلاگروں کو دو چار موم بتی مار کہ مظاہروں کے بعد ہی باعزت گھر لا کر چھوڑا گیا۔ اسی طرح ملک میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کی حکومتی سطح پر پروٹیکشن کا اہتمام ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو بغیر کسی جرم کے تھانوں اور کچہریوں کے چکر لگوائے جا رہے ہیں۔ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں اسلام کے نام لیواؤں کے ساتھ اس طرح کا امتیازی سلوک اور انہیں دیوار کے ساتھ لگانے کی بھرپور تیاری اور کوشش ہر سطح پر واضح نظر آ رہی ہے' جبکہ ایک عام فہم انسان بھی خوب سمجھ سکتا ہے کہ ان خطوط پر آگے بڑھ کر دہشت گردی ختم نہیں ہوگی بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوگا۔

(باقی صفحہ 98 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الْقَصَص

آیات ۶۰ تا ۷۵

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ
وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ
مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ
فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ
الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا
كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ
وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ
اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَاۗءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝
فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝
وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ
سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ۧ

آیت ۶۰ ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ﴾ ’’اور جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ بس دُنیوی زندگی کا سامان اور اس کی زیب و زینت ہے۔‘‘

اس سے یہ نکتہ انسان کو خود بخود سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے اسی طرح اس سے متعلقہ ہر قسم کا ساز و سامان بھی عارضی ہے۔

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ ’’اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟‘‘

آیت ۶۱ ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ’’بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے اور وہ اس (وعدے کو) پا لینے والا بھی ہے اُس شخص جیسا ہو جائے گا جسے ہم نے دُنیوی زندگی کا ساز و سامان دے دیا ہو؟‘‘

یعنی ایک وہ بندہ جو اپنی دُنیوی زندگی میں آخرت کے بارے میں اللہ کے اچھے وعدوں کا مصداق بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے وعدوں کے مطابق جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرمانے والا ہے‘ کیا کبھی اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جسے صرف حیاتِ دنیا کا سروسامان دے دیا گیا ہو؟

﴿ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝﴾ ’’پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے حاضر کیے جانے والوں میں سے ہوگا!‘‘

ظاہر ہے دونوں طرح کے لوگ برابر تو نہیں ہو سکتے۔ قیامت کے دن نیک لوگ اللہ کے وعدوں کے مطابق اس کی رحمت کے سائے میں ہوں گے‘ جبکہ دنیا میں عیش و عشرت کے مزے لینے والے اور اپنے من پسند انداز میں گُل چھرّے اُڑانے والے باغی اس دن بیڑیاں پہنے ہوئے مجرموں کی حیثیت سے اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

آیت ۶۲ ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝﴾ ’’جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم زعم رکھتے تھے؟‘‘

جن کے بارے میں تمہیں یہ زعم اور گمان ہو گیا تھا کہ وہ اللہ کے شریک ہیں‘ وہ اب کہاں ہیں؟

آیت ۶۳ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ﴾ ’’تو کہیں گے وہ لوگ جو (عذاب کے) فیصلے کے مستحق ہو چکے ہوں گے: اے ہمارے پروردگار! یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔‘‘

وہ مشرکین جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ صادر ہو جائے گا‘ آخری عذر کے طور پر اپنے لیڈروں کی طرف اشارہ کریں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ اگر یہ ہمیں گمراہ نہ کرتے تو ہم گمراہ نہ ہوتے! ان لیڈروں میں ان کے معبودانِ باطل‘ شیاطین جنّ و اِنس‘ طاغوت اور گمراہ مذہبی و سیاسی راہنما شامل ہوں گے۔ یہ لیڈر جھٹ جواب دیں گے کہ جو کچھ ہم خود تھے وہی ہم نے ان کو بنایا۔

﴿اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ﴾ ’’(وہ جواب میں کہیں گے) ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے تھے۔‘‘

یعنی ہم خود ہدایت پر ہوتے تو انہیں ہدایت کا رستہ دکھاتے۔ ہم چونکہ خود گمراہ تھے اس لیے ہمارے زیر اثر یہ تمام لوگ گمراہ ہوتے چلے گئے۔

﴿تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ’’ہم تیرے سامنے (ان سے) اظہارِ براءت کرتے ہیں‘ یہ ہماری پرستش تو نہیں کرتے تھے۔‘‘

یعنی یہ ہمارے نہیں بلکہ اپنے ہی نفس کے بندے بنے ہوئے تھے۔ ہم پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ اپنی آزاد مرضی سے ہماری باتیں مانتے رہے ہیں۔

آیت ۶۴ ﴿وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ ’’اور ان سے کہا جائے گا کہ اب تم پکارو اپنے شریکوں کو‘‘

﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ ’’تو وہ انہیں پکاریں گے‘ لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے‘‘

﴿وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ﴾ ’’اور وہ دیکھ لیں گے عذاب کو۔‘‘

﴿لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ’’کاش وہ ہدایت پائے ہوئے ہوتے!‘‘

آیت ۶۵ ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾﴾ ’’اور جس دن اللہ

انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہ تم لوگوں نے کیا جواب دیا تھا رسولوں کو؟‘‘

آیت ۶۶ ﴿فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾﴾ ’’تو اندھی ہو جائیں گی ان پر تمام خبریں اُس دن‘ پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔‘‘

حق اس طرح واضح ہو کر ان کے سامنے آ جائے گا کہ اس کے جواب میں وہ کچھ بھی نہیں بول سکیں گے۔ ظاہر ہے زندگی بھر وہ اللہ کی نافرمانیاں اور انبیاء و رسل علیہم السلام کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرتے رہے تھے۔ چنانچہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ جو رسول تمہاری طرف بھیجے گئے تھے انہیں تم نے کیا جواب دیا تھا تو اُس وقت ان کو کوئی جواب نہیں سوجھے گا۔

آیت ۶۷ ﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ’’تو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک اعمال کیے‘ تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والے والوں میں سے ہوگا۔‘‘

آیت ۶۸ ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ﴾ ’’اور آپؐ کا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور منتخب کر لیتا ہے (جسے چاہتا ہے)۔‘‘

تمام مخلوق اسی کی ہے‘ اپنی مخلوق میں سے اُس نے جس کو چاہا منتخب کر لیا اور رسول بنا لیا: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۗ﴾ (الحج:۷۵) ’’اللہ چُن لیتا ہے اپنے پیغامبر فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے‘‘۔ سورۂ آل عمران میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ’’یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو تمام جہان والوں پر۔‘‘

﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾﴾ ’’(جبکہ) ان کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی ذات ان لوگوں کے اوہام اور من گھڑت عقائد سے وراء الوراء‘ منزّہ اور اَرفع ہے۔

آیت ۶۹ ﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ’’اور آپؐ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔‘‘

مثلاً ان کے دل قرآن اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں

مگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس گواہی کو چھپائے ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنے جن نام نہاد اعتراضات کو وہ ظاہر کر رہے ہیں ان پر انہیں خود بھی اعتماد نہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر یہ نبی ہیں تو انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟

آیت ۷۰ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ ''اور وہی ہے اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫﴾ ''اُسی کے لیے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی''

یہاں آخرت کے مقابلے میں ''اُولیٰ'' دنیا کے لیے آیا ہے' کیونکہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں ہماری پہلی زندگی یہی دُنیوی زندگی ہے۔

﴿وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۷۰﴾ ''اور اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔''

حکم دینے کا اختیار اُسی کو حاصل ہے اور کائنات پر اصل حاکمیت اسی کی ہے۔ وہ جو حکم چاہے دے' جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام ٹھہرائے۔

آیت ۷۱ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''آپؐ کہیے: کیا تم لوگوں نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تم پر رات مسلط کر دے ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک''

﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۷۱﴾ ''تو کون معبود ہوگا اللہ کے سوا جو تمہارے لیے روشنی لائے گا؟ تو کیا تم لوگ سنتے نہیں ہو؟''

آیت ۷۲ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''آپؐ کہیے: کیا تم لوگوں نے کبھی یہ سوچا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے دن ہی کو قائم کر دے قیامت کے دن تک''

﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۷۲﴾ ''تو کون معبود ہے اللہ کے سوا جو تمہارے لیے رات لائے گا جس میں تم آرام کر سکو؟ تو کیا تم لوگ دیکھتے نہیں ہو؟''

آیت ۷۳ ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۷۳﴾ ''اور اُس کی رحمت (کے مظاہر) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ اس (رات) میں تم لوگ آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم (اُس کی ان نعمتوں کا) شکر ادا کرو۔''

آیت ۷۴ ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۷۴﴾ ''اور جس دن وہ انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم لوگوں کو زعم تھا؟''

آیت ۷۵ ﴿وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا﴾ ''اور ہم نکالیں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ''

یہ مضمون دو مرتبہ سورۃ النحل (آیت ۸۴ اور ۸۹) میں بھی آیا ہے' لیکن سورۃ النساء کی یہ آیت تو گویا اس مضمون کا ذروۂ سنام ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۴۱﴾ ''تو اس دن کیا صورت حال ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ بنا کر''۔ جو پیغمبر جس قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہوگا وہ قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں استغاثہ کا گواہ (prosecution witness) بن کر گواہی دے گا کہ اے اللہ! تیری طرف سے جو ہدایت مجھ تک پہنچی تھی میں نے وہ اپنی قوم تک پہنچا دی تھی۔

﴿فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ ''پھر ہم کہیں گے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو!''

پھر متعلقہ اُمت سے پوچھا جائے گا کہ اب تم لوگ بتاؤ تمہارا کیا معاملہ تھا؟ ہمارے رسول نے تو گواہی دے دی ہے کہ اُس نے میرا پیغام آپ لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ اب اس سلسلے میں تمہارا کوئی عذر ہے تو پیش کرو۔

﴿فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ﴾ ''تو وہ جان لیں گے کہ حق تو اللہ ہی کے طرف ہے''

کہ فیصلہ تو اب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی حق ہوگا۔ چنانچہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔

﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۷۵﴾ ''اور گم ہو جائے گا ان سے وہ سب کچھ جو افترا وہ کرتے رہے تھے۔''

گویا ع ’’جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!‘‘ جب دوسری دنیا میں ان کی آنکھ کھلے گی تو ان کے خود ساختہ عقائد‘ من گھڑت معبودوں کے بارے میں ان کے خوش کن خیالات وغیرہ سب ان سے گم ہو چکے ہوں گے اور اس کیفیت میں عذاب کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

آیات ۷۶ تا ۸۲

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ
مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ
مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ
يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً
وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔـلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ فِيْ
زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ
قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ
خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ
الْاَرْضَ ۠ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا
لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

آیت ۷۶ ﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى﴾ ’’یقیناً قارون موسیٰؑ کی قوم ہی سے تھا‘‘

تورات میں اس شخص کا نام Qaurah لکھا گیا ہے۔ ممکن ہے تلفظ کے اختلاف کی وجہ سے یہ فرق پیدا ہوا ہو۔ بہر حال اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ یہاں قارون نامی شخص کے حوالے سے جس کردار اور رویّے کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض ایک فرد کا نام نہیں بلکہ یہ کردار ایک پورے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایک ایسا طبقہ جو کسی محکوم قوم کے اندر حکمرانوں کے

ہاتھوں جنم لیتا ہے اور ان کے سائے میں نشوونما پاتا ہے۔ دراصل کسی بھی ملک میں فاتح اور غاصب حکمرانوں کا طرزِ حکمرانی ظلم و ناانصافی سے عبارت ہوتا ہے۔ ایسے نظام میں عزت و شرافت کے نئے معیار جنم لیتے ہیں۔ سورۃ النمل کی آیت ۳۴ میں ملکہ سبا کی زبانی غاصب بادشاہوں کے کردار پر اس طرح تبصرہ کیا گیا ہے: ﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ﴾ ’’بلاشبہ جب بادشاہ کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں‘ اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔‘‘

غاصب حکمران ہمیشہ خوف اور لالچ کے ذریعے عوام کے اندر سے اپنے حمایتی پیدا کرتے ہیں۔ ایسے ماحول میں محکوم قوم کے گھٹیا اور بے غیرت قسم کے لوگ اپنی قوم سے غداری کر کے اپنے آقاؤں سے مراعات حاصل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے سورۃ النمل کی مذکورہ آیت کے ضمن میں برصغیر پاک و ہند کے غیر ملکی حکمرانوں کی مثال دی جا چکی ہے۔ برصغیر میں انگریزوں نے بھی اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے مقامی لوگوں میں سے ایک ایسا ہی طبقہ پیدا کیا تھا۔ ان لوگوں کو جاگیریں دی گئیں‘ بڑے بڑے ٹھیکے الاٹ کیے گئے‘ خطابات سے نوازا گیا‘ اعلیٰ مناصب پر بٹھایا گیا اور یوں ان کی غیرتوں اور وفاداریوں کو خرید کر ان کو خود ان ہی کی قوم کے خلاف استعمال کیا گیا۔ اسی طرح فرعون کی عملداری میں بنی اسرائیل کے اندر بھی ایک ایسا ضمیر فروش طبقہ پیدا ہو چکا تھا اور قارون اسی طبقے کا ایک ’’معزز فرد‘‘ تھا۔ یہ شخص نہ صرف بنی اسرائیل میں سے تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی چچازاد تھا۔ فرعون کے دربار میں اس کو خاص امتیازی مقام حاصل تھا۔ اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھا کر اس نے اس قدر دولت اکٹھی کر رکھی تھی کہ اس اعتبار سے اس کا نام ضرب المثل کا درجہ رکھتا تھا‘ جیسے آج ہمارے ہاں کے بعض سیاسی کردار بھی دولت سمیٹنے میں علامتی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

﴿فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠﴾ ’’لیکن اُس نے ان کے خلاف سرکشی کی‘‘

اس نے اپنی قوم سے غداری کی اور فرعون کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی ہی قوم کے خلاف ظلم و زیادتی پر مبنی سرگرمیوں میں مصروف رہا۔

﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ﴾ ’’اور اُس کو ہم نے اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔‘‘

اس سے اگر آج کل کی چابیوں کا تصور ذہن میں رکھیں تو بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس کو یوں سمجھیں کہ پرانے زمانے میں آج کل کی طرز کے تالے تو نہیں ہوتے تھے۔ لہٰذا پھاٹک نما دروازوں کو بند کرنے کے لیے بڑی بڑی لکڑیوں یا دھات کے ''اڑنگوں'' کو مخصوص طریقے سے ان کے اندر پھنسانے کا انتظام کیا جاتا ہوگا اور ان ہی کو ان دروازوں کی چابیاں کہا جاتا ہوگا۔ بہرحال اس جملے کا عمومی مفہوم یہی ہے کہ اس شخص کے پاس بے انتہا دولت تھی۔

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ﴾ ''جب اس سے کہا اس کی قوم کے لوگوں نے کہ اِترا ؤ مت''

ظاہر ہے ہر معاشرے میں کچھ بھلے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔ جیسے ہم سورۃ الکہف کے پانچویں رکوع میں دو اشخاص کا واقعہ پڑھ آئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص درویش صفت اور عارف باللہ تھا جبکہ دوسرا مال مست تھا جو اپنی دولت کے گھمنڈ میں اللہ کو بھی بھلا بیٹھا تھا۔ بہرحال کچھ بھلے لوگوں نے قارون کو نصیحت کی کہ تم اپنی دولت پر اترایا نہ کرو۔ یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ ان آیات میں دولت مند لوگوں کے لیے پانچ انتہائی مفید نصیحتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس بہت سی دولت جمع ہو گئی ہو انہیں ان نصیحتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ان میں سے پہلی نصیحت تو یہی ہے کہ اپنی دولت پر اتراؤ نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾﴾ ''یقیناً اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس کے بعد دوسری نصیحت نوٹ کریں:

آیت ۷۷ ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ ''اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو''

یہ دولت اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ اس کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لیے توشۂ آخرت جمع کرنے کی کوشش کرو۔ اس ضمن میں سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ کے یہ الفاظ بھی مدنظر رہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ''اور مت بھولو تم دنیا سے اپنا حصہ''

کسی دولت مند شخص کے لیے یہ تیسری نصیحت ہے کہ جو دولت اللہ نے تمہیں دے رکھی

ہے اس میں سے اپنی ذات پر بھی خرچ کرو۔ اس سے یوں لگتا ہے کہ جیسے قارون بہت کنجوس تھا۔ اسے بس دولت جمع کرنے ہی کی فکر تھی' دولت کو خرچ کرنے سے وہ گھبراتا تھا' حتیٰ کہ اپنی ذاتی ضروریات کو بھی نظر انداز کر دیتا تھا۔ اس سلسلے میں سورۃ الاعراف آیت ۳۲ کے ان الفاظ میں بہت واضح راہنمائی موجود ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیں کہ کس نے حرام کی ہے وہ زینت جو اللہ نے نکالی ہے اپنے بندوں کے لیے؟ اور (کس نے حرام کی ہیں) پاکیزہ چیزیں کھانے کی؟'' یعنی ایک خوشحال آدمی کو اچھا کھانے اور اچھا پہننے سے کس نے منع کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رہبانیت اختیار کرنے کا حکم تو نہیں دیا' بلکہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اعتدال کی روش کو پسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الفرقان کی آیت ۶۷ میں ''عباد الرحمٰن'' کے اوصاف میں سے ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾﴾ ''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں' بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے''۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ میں اس حکم کے ذریعے اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑے بغیر اپنے وسائل میں سے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پر خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں چوتھی نصیحت یہ دی گئی ہے:

﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ ''اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو' جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے''

اللہ نے تمہیں دولت دی ہے تو یہ اللہ کا تم پر بہت بڑا احسان ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ تم بھی لوگوں پر احسان کرو اور اپنے بیگانے کی تفریق و تخصیص کیے بغیر غریبوں' مسکینوں اور محتاجوں کی مدد کو اپنا شعار بناؤ۔ اس سلسلے میں سورۃ المعارج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾﴾ ''اور وہ لوگ جن کے اموال میں ایک مقررہ حصہ ہے' سائلوں اور ناداروں کا''۔ اور اب پانچویں نصیحت:

﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾﴾ ''اور زمین میں فساد مت مچاؤ' یقیناً اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اپنے سیاق وسباق کے حوالے سے یہ بہت اہم ہدایت ہے۔ وہ کون سا فساد تھا جس میں قارون ملوث تھا؟ یہ سمجھنے کے لیے مصر کے اس ماحول کا تصور کریں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام دن رات ہمہ تن کارِ نبوت اور فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں لگے ہوئے تھے۔ اُس معاشرے کے کچھ لوگ تو آپؑ کا ساتھ دے رہے تھے اور اس کام میں آپؑ کا ہاتھ بٹانے کی کوشش میں تھے‘ جبکہ کچھ دوسرے لوگ آپؑ کی راہ میں روڑے اٹکانے اور آپؑ کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے سازشوں میں مصروف تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس معاشرے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے جو خیر پیدا کرنا چاہتا تھا‘ قارون اور اس کے گروہ کے لوگ مختلف حربوں سے اس خیر کا راستہ روکنے کی کوشش میں مصروف تھے‘ اور یہی وہ ’’فساد فی الارض‘‘ ہے جس کا یہاں ذکر ہوا ہے۔

اس حوالے سے اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے مدنی دور کا جائزہ لیں تو مدینہ کے منافقین بھی آپؐ کے مشن کے خلاف اسی طرح کی منفی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل تھے۔ ان کی مفسدانہ سازشوں کا ذکر سورۃ البقرۃ میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! بلاشبہ وہی ہیں فساد کرنے والے‘ لیکن وہ شعور نہیں رکھتے‘‘۔ چنانچہ کسی دینی جماعت یا تحریک کی اصلاحی اور انقلابی کوششوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا اور ایسی جماعت کے نظم کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرنا گویا ’’فساد فی الارض‘‘ کے زمرے میں آتا ہے اور اللہ کو ایسے مفسد لوگ پسند نہیں ہیں۔ یعنی دین کی سربلندی کے لیے کی جانے والی کوشش کا حصہ بنو‘ نہ کہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو۔ مندرجہ بالا ہدایات کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ انہیں ایک مرتبہ پھر سے دہرایا جائے:

(۱) ﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝﴾

’’(اپنی دولت پر) اترائو مت‘ یقیناً اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

(۲) ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾

’’اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو‘‘

(۳) ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

’’اور تم دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو‘‘

(۴) ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾

’’اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو‘ جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے‘‘

(۵) ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾

’’اور زمین میں فساد مت مچاؤ‘ یقیناً اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

آیت ۷۸ ﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ﴾ ’’اُس نے کہا کہ مجھے تو یہ سب کچھ ملا ہے اُس علم کی بنیاد پر جو میرے پاس ہے۔‘‘

یعنی تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ دولت مجھے اللہ نے دی ہے؟ یہ تو میں نے اپنی ذہانت‘ سمجھ بوجھ‘ محنت اور اعلیٰ منصوبہ بندی کی وجہ سے کمائی ہے۔ یہ خالص مادہ پرستانہ سوچ ہے اور ہر زر پرست شخص جو عملی طور پر اللہ کے فضل کا منکر ہے ہمیشہ اسی سوچ کا حامل ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے کاروبار کی سب کامیابیاں میرے علم اور تجربے کی بنیاد پر ہیں۔ میں نے مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کا بروقت اندازہ لگا کر جو فلاں فیصلہ کیا تھا اور فلاں سودا کیا تھا اس کی وجہ سے مجھے یہ اتنی بڑی کامیابی ملی ہے۔

﴿اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ﴾ ’’کیا اُسے معلوم نہیں کہ اللہ اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو طاقت اور مال و اسباب کی فراوانی میں اس سے کہیں بڑھ کر تھیں!‘‘

﴿وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾ ’’اور (اللہ کے ہاں) مجرم لوگوں سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔‘‘

اللہ تعالیٰ ان کے حساب کتاب کی جزئیات تک سے باخبر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اعمال نامہ کی ایک ایک تفصیل اس کے سامنے ہے۔ اسے کسی تفتیش یا تحقیق کی ضرورت نہیں۔ یہی بات سورۃ الرحمٰن میں یوں بیان ہوئی ہے: ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ۝﴾ ’’پھر اس دن نہیں پوچھا جائے گا کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں‘‘۔ اس لیے کہ اللہ کے حضور پیشی کے وقت ہر فرد کی مکمل کارگزاری اس کی پیشانی پر نقش ہوگی۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝﴾

(الرحمٰن) ''مجرم اپنے چہروں سے ہی پہچان لیے جائیں گے' تو انہیں دبوچ لیا جائے گا سر کے بالوں اور پیروں سے''۔ اس طریقے سے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر جہنم کی طرف اچھال دیا جائے گا۔

آیت ۷۹ ﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ﴾ ''پھر (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے ٹھاٹھ باٹھ میں۔''

اپنی قوم پر رعب جمانے کے لیے وہ اپنے خدم وحشم کے ساتھ اپنی دولت اور آرائش و زیبائش کا اظہار کرتے ہوئے نکلا۔ چنانچہ اس کی شان وشوکت کو دیکھ کر:

﴿قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ﴾ ''کہا ان لوگوں نے جو خواہش مند تھے دنیا ہی کی زندگی کے' کہ کاش یہ سب کچھ ہمارے لیے بھی ہوتا جو قارون کو ملا ہے''

وہ لوگ جو دُنیوی زندگی ہی کے طالب تھے' اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر اندر ہی اندر اپنی محرومیوں پر پچھتاتے اور اس کی خوش نصیبی کی داد دیتے رہے کہ:

﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝۷۹﴾ ''یقیناً وہ بہت بڑے نصیب والا ہے۔''

دنیا پرست اور ظاہر بین لوگوں کی نظر میں تو کسی شخص کی کامیابی اور خوش بختی کا معیار یہی ہے کہ اس کے پاس کس قدر دولت ہے۔ یہ دولت اس نے کہاں سے حاصل کی ہے اور کیسے حاصل کی ہے اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

آیت ۸۰ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ ''اور کہا ان لوگوں نے جنہیں علم عطا ہوا تھا''

جیسا کہ قبل ازیں آیت ۷۶ کے ضمن میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ اس معاشرے میں کچھ نیک سرشت لوگ اور اصحابِ علم وفہم بھی تھے جنہیں دُنیوی زندگی کے ٹھاٹھ باٹھ اور زیب و زینت کی اصل حقیقت معلوم تھی۔ ایسے لوگوں نے قارون کے ٹھاٹھ باٹھ سے متاثر ہونے والے لوگوں کو سمجھاتے ہوئے کہا:

﴿وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ﴾ ''افسوس ہے تم پر! اللہ کا (عطا کردہ) ثواب (اس سے) کہیں بہتر ہے اُس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے۔''

یعنی تم خواہ مخواہ اس کی شان وشوکت کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم حقیقی ایمان اور عملِ صالح کی شرائط پر پورے اترو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت میں جن نعمتوں سے نوازے گا وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہوں گی۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں اس ضمن میں اللہ کے وعدے کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ ......﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے حقیقی طور پر ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں کہ انہیں وہ زمین میں ضرور حکومت وخلافت سے نوازے گا......'' اس کے بعد آخرت میں ایسے لوگوں کو جو اجر وثواب ملنے والا ہے اور جنت میں ان پر جن نعمتوں کی بارش ہونے والی ہے اس کا تو اس دُنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

﴿وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝۸۰﴾ ''اور وہ نہیں ملے گا مگر ان لوگوں کو جو صبر کرنے والے ہیں۔''

آخرت کا وہ اجر وثواب صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوگا جو دنیا میں صبر وقناعت سے گزر بسر کرتے رہے اور اپنی ضروریات سے زیادہ کی ہوس سے بچتے رہے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((مَا قَلَّ وَ کَفٰی خَیْرٌ مِمَّا کَثُرَ وَاَلْهٰی))(۱) ''جو چیز کم ہو لیکن بقدرِ کفایت ہو وہ اس سے بہتر ہے جو بہت زیادہ ہو لیکن غفلت میں مبتلا کر دے''۔ کیونکہ دولت کی بہتات ہوگی تو اس کے سبب انسان غفلت کا شکار ہو جائے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر آج کا کھانا کھا کر آدمی کل کے کھانے کے لیے اللہ پر توکّل کرے گا تو وہ اللہ کو بھول نہیں پائے گا۔

آیت ۸۱ ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۟﴾ ''تو ہم نے اُسے اور اُس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قارون ''خسف فی الارض'' کے عذاب کا شکار ہو گیا۔

﴿فَمَا کَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ﴾ ''تو اُس کے لیے نہ تو کوئی ایسا لشکر تھا جو اُس کی مدد کرتا اللہ کے مقابلے میں''

﴿وَمَا کَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ۝۸۱﴾ ''اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ بدلہ لینے والوں

(۱) الترغیب والترهیب للمنذری: ۴/۱۲۹ و ۴/۱۵۵۔ ومجمع الزوائد للهیثمی: ۱۰/۲۵۹ عن ابی الدرداء ؓ وعن ابی امامة الباهلی ؓ [رواته رواة الصحیح واسناده صحیح أو حسن أو ما قاربهما]

میں ہوتا۔‘‘

وہ اپنے لاؤلشکر اور تمام تر جاہ وجلال کے باوجود اس قابل نہ تھا کہ (معاذ اللہ!) اللہ سے اپنی بربادی کا انتقام لے سکتا۔

آیت ۸۲ ﴿وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ﴾ ’’اور جن لوگوں نے کل اس کے مرتبے کی تمنا کی تھی اب وہ یوں کہہ رہے تھے‘‘

﴿وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ﴾ ’’ہائے افسوس! اللہ ہی کشادہ کرتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی تنگ کرتا ہے۔‘‘

تصور کریں کہ اگر رات کو یہ واقعہ ہوا ہوگا تو صبح ہوتے ہی ہر طرف دھوم مچ گئی ہوگی۔ چنانچہ وہی لوگ جو کل قارون کی آن بان کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اب وہ اس خوفناک انجام سے بچ جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہائے افسوس، ہم بھول گئے تھے کہ رزق کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا دیتا ہے۔

﴿لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ﴾ ’’اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔‘‘

یعنی ہم نے بھی اُس جیسی دولت اور شان وشوکت کی خواہش کی تھی، اس لیے عین ممکن تھا ہمیں بھی وہی سزا ملتی، مگر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں اس انجام سے بچا لیا۔

﴿وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۲﴾ ’’افسوس! کہ کافر بالکل فلاح نہیں پائیں گے۔‘‘

آیات ۸۳ تا ۸۸

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۴ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸۵ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ

الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۸۷ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۸

آیت ۸۳ ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ﴾ ’’یہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں اقتدار و اختیار کے خواہاں ہیں اور نہ ہی فساد مچانا چاہتے ہیں۔‘‘

دراصل یہاں پر اقتدار کی طلب اور ہوس کی مذمت ہے نہ کہ بوقت ضرورت اقتدار کی ذمہ داری سنبھالنے کی۔ جیسے حضور ﷺ کی انقلابی جدّوجُہد کے نتیجے میں مدینہ کی چھوٹی سی ریاست وجود میں آ گئی تو آپؐ کو اس کے سربراہ کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالنا پڑی۔ لیکن نہ تو آپؐ کی جدوجہد کا مقصد حصولِ اقتدار تھا اور نہ ہی آپؐ اس کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اقتدار کا خواہش مند ہونے اور اقتدار کی ذمہ داری نبھانے کے لیے آمادہ ہو جانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس حوالے سے یہاں پر واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو اُس کے دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد میں خود کو کھپا رہے ہیں۔ لیکن اس کٹھن راستے کے مسافروں کو اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہیے کہ اگر اس جدوجہد کے دوران میں دل کے کسی گوشے میں ہوسِ اقتدار کی کوئی کونپل پھوٹ پڑی یا اپنا نام اونچا کرنے کی خواہش نے نفس کے کسی کونے میں جڑ پکڑ لی تو اللہ کے ہاں ایسا ’’مجاہد‘‘ نااہل (disqualified) قرار پائے گا اور اس کی ہر ’’جدوجہد‘‘ مسترد کر دی جائے گی۔

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳﴾ ’’اور آخرت کی زندگی تو ہے ہی اہلِ تقویٰ کے لیے۔‘‘

آخرت کی نعمتوں اور اس کے عیش و آرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔

آیت ۸۴ ﴿مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ﴾ ’’جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اُس کے لیے بدلہ ہوگا اس سے بہتر۔‘‘

سورۃ النمل کی آیت ۸۹ میں بھی یہ مضمون بالکل ان ہی الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور جو کوئی بُرائی لے کر آئے گا تو برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر وہی کہ جو کچھ وہ کر کے لائیں گے۔''

مطلب یہ کہ برائی کی سزا برائی کے عین مطابق دی جائے گی' اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن نیکوکاروں کے لیے ان کی نیکیوں میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے دس گنا سے سات سو گنا تک اضافہ کر دیا جائے گا' بلکہ غور کیا جائے تو ''خَيْرٌ مِّنْهَا'' کی کوئی حد اور انتہا مقرر نہیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ جس کے لیے جتنا چاہے گا بڑھا دے گا۔ اور اللہ بہت وسعت والا خوب جاننے والا ہے''۔ بہرحال ''خَيْرٌ مِّنْهَا'' کے الفاظ میں سب سے نچلی سطح پر بھی یہ بشارت موجود ہے کہ تم جیسی بھی کوئی نیکی کر کے لے جاؤ گے وہاں اس کا اجر اس سے بہتر ہی ملے گا۔

آیت ۸۵ ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یقیناً جس نے آپ پر قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے' وہ آپ کو پہنچا کے رہے گا ایک بہت اچھی لوٹنے کی جگہ۔''

یہاں پر فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ کے حوالے سے سورۃ النمل کی آیت ۹۲ کے یہ الفاظ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں: ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ﴾ یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم لوگوں کو قرآن سناتا رہوں۔ قرآن ہی کے ذریعے سے انذار' تبشیر اور تبلیغ کا فرض ادا کرتا رہوں اور اسی کی مدد سے تمہارے نفسانی اور روحانی امراض کی شفا کے لیے کوشاں رہوں۔ گویا سورۃ النمل کی مذکورہ آیت میں قرآن پڑھ کر سنانے کے جس حکم کا ذکر ہے اسی کی تعبیر یہاں آیت زیر مطالعہ میں فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ کے الفاظ میں کی گئی ہے۔ یعنی قرآن کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے فرض کر دی ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۶۷ میں آپ ﷺ کی اس ذمہ داری کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ﴾ ''اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔ اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔''

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ بھاری ذمہ داری اپنی امت کو منتقل کر دی

اور اس سلسلے میں حکم دیا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) ''پس جو حاضر ہے وہ اُس تک پہنچا دے جو حاضر نہیں ہے''۔ گویا یہ آپ ﷺ کا حکم ہے کہ آپ ﷺ کا ہر امتی اپنی استطاعت کے مطابق تبلیغ دین کا یہ فریضہ لازماً ادا کرے۔ اس حکم کے ذریعے آپ ﷺ نے اپنے ''فریضۂ رسالت'' کا سلسلہ قیامِ قیامت تک دراز فرما دیا۔ چنانچہ اس اُمت کے افراد ہونے کے ناتے سے اب یہ ذمہ داری ہم میں سے ہر ایک پر عائد ہوتی ہے۔ میں نے اپنے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں اس ذمہ داری کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس لحاظ سے اس ذمہ داری کے پانچ پہلو ہیں' یا یوں سمجھئے کہ قرآن کے یہ پانچ بنیادی حقوق ہیں جو ہم میں سے فرداً فرداً سب کے ذمہ ہیں۔ یعنی: (۱) قرآن پر ایمان لانا' جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہے۔ (۲) قرآن کی تلاوت کرنا' جیسا کہ اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے۔ (۳) قرآن کو سمجھنا' جیسا کہ اسے سمجھنے کا حق ہے۔ (۴) قرآن پر عمل کرنا' جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اور (۵) قرآن کی تبلیغ کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا' جیسا کہ اس کا حق ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں اسی ذمہ داری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اے نبی ﷺ! جس اللہ نے آپ پر قرآن کی یہ بھاری ذمہ داری ڈالی ہے وہ یقیناً آپ کو لوٹائے گا لوٹنے کی بہت اچھی جگہ پر۔ مَعَاد اسم ظرف ہے عَادَ يَعُوْدُ سے' یعنی لوٹنے کی جگہ۔ اس سے مراد آخرت بھی لی جاتی ہے اور اسی لیے ایمان بالآخرت کو ''ایمان بالمعاد'' بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس آیت کے حوالے سے ایک رائے یہ ہے کہ یہاں ''مَعَاد'' سے مراد ''مکہ'' ہے اور ان الفاظ میں گویا ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ کو خوشخبری سنائی گئی تھی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مکہ کی طرف لوٹا دے گا۔ اس سلسلے میں جو روایات ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت کے دوران جب آپ ﷺ غارِ ثور میں تین راتیں گزارنے کے بعد مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو چونکہ تعاقب کا اندیشہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے احتیاطاً ایک ایسا غیر معروف پہاڑی راستہ اختیار فرمایا جو آگے جا کر مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستے سے مل جاتا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ چلتے چلتے جب اس معروف راستے پر پہنچے تو وہاں آپ ﷺ کے لیے بڑی جذباتی اور رقت آمیز صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ آپ ﷺ راستوں کے ملاپ کی جگہ (T) پر کھڑے تھے۔ دائیں طرف کا راستہ مدینہ کو جاتا تھا جبکہ بائیں جانب مکہ تھا۔ اس وقت مکہ اور خانہ کعبہ کی جدائی کے غم میں آپ ﷺ کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی اس کیفیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ کے اطمینان کے

لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپؐ دل گرفتہ نہ ہوں‘ ہم آپ ﷺ کو ضرور مکہ واپس لے کر آئیں گے۔ اگرچہ اب تو آپؐ وہاں سے مجبور ہو کر نکلے ہیں لیکن عنقریب ہم آپؐ کو ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل کرنے والے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق ایسی ہی کیفیت آپؐ پر مکہ سے روانگی کے وقت بھی طاری ہوئی تھی اور آپؐ نے کعبہ سے لپٹ کر فرمایا تھا: اے کعبۃ اللہ! مجھے تجھ سے بہت محبت ہے‘ مگر میں کیا کروں‘ یہاں کے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔

بہرحال میرے نزدیک اس آیت کا اصل مفہوم یہی ہے کہ یہاں ’’مَعَاد‘‘ سے مراد آخرت اور جنت ہے۔ جیسا کہ سورۃ الضحیٰ میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) یقیناً آخرت آپؐ کے لیے اس دنیا کی زندگی سے بہتر ہوگی‘‘۔ اس معنی میں یہاں پر ’’مَعاد‘‘ بطور اسم نکرہ گویا ’’تفخیمِ شان‘‘ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی لوٹنے کی وہ جگہ بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہوگی۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت میں بھی ملتی ہے: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹﴾ ’’اُمید ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا‘‘۔ آیت زیر مطالعہ میں اسی ’’مقامِ محمود‘‘ کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس مقام (معاد) کی شان کیسی ہوگی؟ کسی انسان کے لیے اس کا تصور بھی محال ہے۔

﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸۵﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون ہے جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو تو کوئی توقع نہیں تھی کہ آپ پر کتاب القا کی جائے گی‘‘

اس سے ملتا جلتا مضمون سورۃ النمل میں بھی آیا ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) قرآن تو یقیناً ایک حکیم اور علیم ہستی کی طرف سے آپ پر القا کیا گیا ہے‘‘۔ ظاہر ہے کہ بعثت سے پہلے نہ تو آپؐ اس بات کے امیدوار تھے کہ آپؐ پر قرآن نازل کیا جائے اور نہ ہی آپؐ اس کے لیے کوشاں تھے۔ اس سے پہلے آپؐ کی زندگی ایک صادق و امین‘ شریف النفس انسان اور ایک ایماندار تاجر کی زندگی تھی۔ اور جو تاجر آپ ﷺ کی اس تاجرانہ زندگی کا اتباع کرتا ہے اُس کے لیے آپؐ نے بایں الفاظ بشارت فرمائی ہے:

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ))(۱) یعنی وہ تاجر جو بالکل سچا ہو‘ اپنے معاملات میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہونے دے اور امانت دار ہو‘ وہ (قیامت کے روز) انبیاء‘ صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ’’یہ تو محض آپؐ کے رب کی رحمت سے ہے‘‘

یہ تو سراسر اللہ کی رحمت‘ اس کی عطا اور مہربانی ہے کہ اس نے آپؐ کو نبوت کے لیے چنا ہے اور آپؐ کو یہ کتاب عطا فرمائی ہے۔

﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶﴾ ’’پس آپؐ کافروں کے پشت پناہ نہ بنیں۔‘‘

اس جملے کا درست مفہوم سمجھنے کے لیے سورۃ النساء کے سولہویں (۱۶) رکوع کا مضمون پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس رکوع میں حضور ﷺ کے سامنے پیش ہونے والے ایک مقدمے پر تبصرہ ہوا ہے۔ یہ ایک منافق کا مقدمہ تھا جس نے چوری کی تھی‘ لیکن اس کے قبیلے کے لوگوں نے قبائلی عصبیت کی بنا پر اُس کی بے جا حمایت کر کے چوری کا الزام ایک یہودی کے سر تھوپنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ۱۰۹ میں متعلقہ قبیلے کے لوگوں کو تنبیہہ کی گئی کہ آج دنیا میں تو تم لوگوں نے اس کی خوب وکالت کر لی‘ لیکن کل قیامت کے دن ایسے مجرموں کو اللہ کی پکڑ سے کون چھڑائے گا؟ گویا مسلمانوں کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ حق و انصاف کے سامنے خاندانی رشتوں اور قبائلی عصبیت کی کوئی اہمیت نہیں۔

آیت زیر مطالعہ کے اس آخری جملے کا مفہوم سمجھنے کے لیے مکہ کے اس ماحول کو بھی ذہن میں لائیے جہاں آپ ﷺ کی دعوت کے سبب معاشرہ واضح طور پر دو حصوں میں بٹتا جا رہا تھا۔ رحمی و خونی رشتے منقطع ہو رہے تھے اور دوستیاں دشمنیوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابولہب نے آپؐ کے ساتھ دشمنی کی انتہا کر دی تھی۔ اس پس منظر میں آیت زیر مطالعہ کے اس آخری جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ اے نبی (ﷺ) آپ ان کافروں کے ساتھ اپنے رشتوں اور تعلقات کو بالکل کوئی اہمیت نہ دیں۔ عصبیت کا کوئی خفیف سا شائبہ بھی آپؐ اپنے دل کے قریب نہ پھٹکنے دیں اور ان مشرکین کے ساتھ بالکل کوئی موافقت اور ہمدردی نہ رکھیں۔ اس سے پہلے اسی سورت (القصص) کی آیت ۱۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بھی بالکل ایسے ہی الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ قبطی کے قتل ہو جانے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب البیوع‘ باب ما جاء فی التجار وتسمیة النبی ایاھم۔

کی توبہ قبول ہوئی تھی تو اس وقت آپؐ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے عہد کیا تھا: ﴿فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ⑰﴾ کہ میں آئندہ کبھی بھی مجرموں کا پشت پناہ نہیں بنوں گا۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں یہی حکم حضورﷺ کو دیا جا رہا ہے کہ آپ کسی بھی حیثیت‘ کسی بھی انداز اور کسی بھی درجے میں ان کافروں کے مددگار نہ بنیں۔

آیت ۸۷ ﴿وَلَا یَصُدُّنَّکَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ﴾ ’’اور وہ آپؐ کو روک نہ سکیں اللہ کی آیات سے اس کے بعد کہ وہ آپ پر نازل کر دی گئی ہیں‘‘

یعنی اگر آپؐ ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی تعلق رکھیں گے‘ چاہے وہ کسی ادنیٰ درجے کی قبائلی عصبیت ہی کی بنیاد پر ہو تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپؐ کی دعوت کے عمل میں رکاوٹ بنیں گے اور آپؐ کو اللہ کے احکام کی تعمیل سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

﴿وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ⑧⑦﴾ ’’اور اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیے اور شرک (جیسے گھناؤنے جرم) کا شائبہ بھی اپنے قریب مت آنے دیجیے۔‘‘

آیت ۸۸ ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ﴾ ’’اور مت پکاریے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔‘‘

جیسے کہ پہلے بھی کئی بار اس نکتے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس نوعیت کے احکام میں اگرچہ صیغہ واحد میں خطاب بظاہر حضورﷺ سے ہوتا ہے لیکن حقیقت میں آپؐ کی وساطت سے تمام اُمت مخاطَب ہوتی ہے۔

﴿کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ﴾ ’’ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کے چہرے کے!‘‘

کیا اللہ کا چہرہ بھی ہے؟ اور اگر اس کے چہرے کو فنا نہیں ہے تو کیا اس کے کوئی اور اعضاء بھی ہیں جن کو فنا ہے؟ معاذ اللہ‘ ثم معاذ اللہ!

یہ بہت اہم اور حساس مسئلہ ہے جس کے بارے میں پہلے بھی کئی بار بتایا جا چکا ہے۔ یہاں پھر ذہن نشین کر لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات‘ عالمِ برزخ‘ عالمِ غیب اور عالمِ آخرت جیسے موضوعات کے بارے میں آیات سے جس قدر مفہوم سمجھ میں آ جائے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔

ورنہ ایسے معاملات میں اگر انسان عقل اور منطق کے سہارے ایک ایک کر کے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرے گا تو غلط راستے پر چل نکلے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اَلْعِجزُ عن دَرکِ الذّاتِ اِدراك کہ اللہ کی ذات کے بارے میں ادراک سے عجز ہی اصل ادراک ہے۔ یعنی جب انسان یہ سمجھ لے کہ میں اس کی ذات کو نہیں سمجھ سکتا تو بس یہی ادراک ہے اور یہی اللہ کی معرفت ہے۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں یہ الفاظ بار بار لکھے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ وراء الوراء‘ ثم وراء الوراء‘ ثم وراء الوراء ہے۔ اس بارے میں کوئی تصور بنانا انسانی ذہن کے لیے ممکن ہی نہیں۔ وَجْهَهٗ سے کئی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور ہستی بھی مراد لی ہے‘ جیسے ہمارے ہاں جب یہ کہا جاتا ہے کہ میں یہ کام فلاں کے منہ کو کر رہا ہوں تو اس اس کا معنی ہوتا ہے کہ اُس کی رضا جوئی کے لیے کر رہا ہوں۔ یعنی اس سے شخص کی ذات مراد ہوتی ہے نہ کہ صرف اُس کا منہ یا چہرہ۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔

﴿لَهُ الْحُکْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑧⑧﴾ ’’فرماں روائی اُسی کی ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔‘‘

بارك اللّٰه لی ولکم فی القرآن العظیم ٗ ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم○○

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین
کی اہمیت وفرضیت، بعنوان:
توحیدِ عملی
سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور (۵)

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا مسجد دارالسلام باغِ جناح لاہور میں

۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء کا خطابِ جمعہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

اذہان وقلوب میں قرآن مجید کا نفوذ کیسے ہو؟

اب سوال یہ ہے کہ اذہان وقلوب میں قرآن مجید کے نفوذ کے لیے کیا اہتمام کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کام کو دو سطحوں پر انجام دیا جا سکتا ہے: پہلی سطح محدود اور دوسری سطح وسیع ترین ہے۔ محدود سطح یہ ہے کہ رجالِ دین، دینی ادارے اور انجمنیں عوامی درس کی صورت میں ـــــ عوامی درس کی اصطلاح میں نے حضرت شیخ الہندؒ کے قول سے اخذ کی ہے جو قبل ازیں میں آپ کو سنا چکا ہوں ـــــ عوامی سطح پر قرآن حکیم کے انقلابی دعوت و پیغام کو عام کریں۔ پھر ان دروس کے لیے فلسفہ و منطق کے اسلوب کے بجائے قرآن ہی کے طرزِ استدلال کو اختیار کریں جو عقل و شعور کے ساتھ ساتھ فطرتِ انسانی اور بدیہیاتِ انسانی کو اپیل کرتا ہے۔

اسی طرح اجتماعاتِ جمعہ میں نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تذکیر بالقرآن کریں، اس لیے کہ حضور ﷺ خطبہ جمعہ میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے اور اس کے ذریعے لوگوں کو تذکیر کرایا کرتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَ يُذَكِّرُ النَّاسَ (۱)

''رسول اللہ ﷺ (نمازِ جمعہ سے پہلے) دو خطبے دیا کرتے تھے، ان دونوں کے درمیان بیٹھا کرتے تھے، اور (ان خطبوں میں) قرآن کریم کی تلاوت اور لوگوں کی تذکیر فرمایا

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة وما فیهما من الجلسة۔

کرتے تھے۔''

چنانچہ خطبۂ جمعہ سے قبل تقاریر کا جو سلسلہ جاری ہے یا جو حضرات اردو یا مقامی زبان میں خطبہ جمعہ دیتے ہیں، وہ اسی عمل پر دوام اختیار کریں جو نبی اکرم ﷺ کا اساسی منہج ہے: ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة:۲) ''جو تلاوت کر کے انہیں سناتا ہے اس کی آیات اور انہیں پاک کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب وحکمت کی''۔ یہ انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہج کے چار عناصر ہیں: تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت۔

یہ تو محدود سطح ہے کہ عوامی درس اور خطبہ جمعہ کے ذریعے لوگوں کے اذہان وقلوب میں قرآن کا نفوذ کیا جائے، جبکہ اس کی ایک وسیع ترین سطح بھی ہے اور یہ کام حکومت کے کرنے کا ہے۔ تعمیرِ سیرت و کردار کے لیے حکومتی سطح پر کرنے کے جو کام ہو سکتے ہیں، میں نے پچھلی تقریر میں بھی ان کا اجمالاً ذکر کیا تھا، لیکن آج ان کاموں کا تفصیلاً تجزیہ کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

حکومتی سطح پر اصلاحِ معاشرہ کے مؤثر ترین ذرائع

کسی چیز کو وسیع ترین اور بڑے پیمانے پر کسی معاشرے کے افراد کے قلوب و اذہان میں اُتارنے کے لیے حکومتی سطح پر تین بڑے مؤثر ذرائع ہیں۔ پہلا ذریعہ ہے پریس، دوسرا ذریعہ ہے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذرائع ابلاغ ـــــ پریس بھی ایک ذریعہ ابلاغ ہے، لیکن اس کو میں نے علیحدہ اس لیے رکھا ہے کہ اس کو حکومت کی گرفت سے آزاد بھی کہا جا سکتا ہے، اس لیے کہ یہ پبلک سیکٹر میں بھی ہے اور لوگ بڑی حد تک اس کو اپنی سوچ اور اپنی فکر کی نشر و اشاعت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ جبکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن دونوں سراسر اور بالکلیہ حکومت کے ہاتھ میں ہیں☆۔ یورپ اور خاص طور پر امریکہ میں یہ ادارے بظاہر آزاد ہیں۔ میں نے 'بظاہر' اس لیے کہا کہ درحقیقت یہ وہاں بھی آزاد نہیں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان پر تسلط حکومت کا نہیں، سرمایہ دار کا ہے۔ وہاں یہ ذرائع ابلاغ سرمایہ دار کی گرفت میں ہیں۔ عام آدمی وہاں بھی اسی طرح ان کی زد میں رہتا ہے جس طرح حکومت کے ہاتھ میں یہ ذرائع ہونے کی صورت میں رہتا ہے۔ وہاں بھی عوام الناس کی آزادانہ سوچ اور فکر پروان نہیں چڑھ سکتی اور سرمایہ دار

☆ واضح رہے کہ یہ خطاب ۱۹۸۲ء کا ہے جب ٹیلی ویژن سے مراد صرف ''پی ٹی وی'' تھا۔

اپنے مفادات کے مطابق ان ذرائع ابلاغ کا استحصال کرتا ہے۔ پھر یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ اور خاص طور پر امریکہ میں سب سے اوپر یہودی سرمایہ دار ہیں جو اپنی سرمایہ داری کے بل بوتے پر ذرائع ابلاغ پر بھی مسلط ہیں اور نہایت حقیر اقلیت ہونے کے باوجود ایوانِ حکومت میں بھی یہود ہی کی پالیسیاں اثر انداز بلکہ نافذ العمل ہوتی ہیں۔ علامہ اقبال نے تو آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال قبل ہی اس حقیقت کا ادراک کرلیا تھا کہ ع ''فرنگ کی رگِ جاں پنجہ یہود میں ہے''۔ آج یورپ بالخصوص امریکہ میں یہی صورتِ حال فی الواقع موجود ہے۔ اس گرفت کے عوامل میں ایک طرف ان یہود کی سرمایہ داری ہے اور دوسری طرف اپنے سرمایہ کے بل پر ان تمام ممالک کے ذرائع ابلاغ: پریس، ریڈیو، ٹیلی ویژن، حتیٰ کہ فلم انڈسٹری پر ان یہود کا تسلط ہے۔ بہرحال ہمارے ہاں تو ریڈیو، ٹیلی ویژن پر کامل تسلط حکومت کا ہے اور اس میں کسی نجی (private) ادارے کا عمل دخل نہیں ہے۔ چنانچہ پہلا ذریعہ ہوگیا پریس، دوسرا ریڈیو اور ٹیلی ویژن، جبکہ تیسرا ذریعہ ہے نظامِ تعلیم —— اب میں چاہوں گا کہ ان میں سے ایک ایک کے حلقہ اثر اور نفوذ کا جائزہ لیا جائے۔

پہلا ذریعہ: پریس اور صحافت

پریس کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ اس کا ایک حصہ تو وہ ہے جو ''پریس ٹرسٹ'' کے ذریعے سے حکومت کے زیر اثر ہے، لیکن اس وقت میں آزاد پریس کی بات کروں گا۔ اس میں دو بیماریاں اس طرح جڑ پکڑ چکی ہیں کہ اس نے صحت مند صحافت کا دور ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل پریس کے ذریعے صاحبِ فکر لوگ اپنا تعمیری فکر عوام کے اذہان میں منتقل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ماضی قریب میں ایسے بہت سے اہلِ فکر و نظر بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے اعلیٰ پیمانے پر یہ خدمت انجام دی ہے۔ ان میں سے چند بزرگوں کے نام اس وقت ذہن میں آرہے ہیں، جیسے ضیغمِ حق، مردِ حُر مولانا ظفر علی خانؒ کی صحافت، بطلِ حریت مولانا محمد علی جوہرؒ کی صحافت، الہلال اور البلاغ کے دور کے ضیغم حق مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صحافت کہ جس کے ذریعے اس دور میں دعوت رجوع الی القرآن اور پیغامِ جہاد کا غلغلہ بلند ہوا۔ اسی طرح خود مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ جو موجودہ دور کے ایک عظیم مفکّر اسلام ہیں اور جنہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی دعوت کو ایک عظیم تحریک کی شکل میں برپا کیا۔ مولانا مودودی

خود بنیادی طور پر صحافی تھے، انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بطور صحافی کیا تھا۔ بالکل نوعمری کے دور میں وہ ''تاج'' آگرہ اور بعدہٗ چند سال تک جمعیت العلماء ہند کے ترجمان ''الجمعیت'' دہلی کے مدیر رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہاں سے علیحدہ ہونے کے بعد مولانا مرحوم کسی روزنامے یا ہفت روزہ سے وابستہ نہیں رہے اور بقیہ ساری عمر وہ اپنا ماہنامہ (ترجمان القرآن) ہی نکالتے رہے۔ مولانا مرحوم خود اپنے آپ کو بنیادی طور پر ''صحافی'' ہی قرار دیتے تھے۔ مجھے ایک معتبر صاحب نے کبھی بتایا تھا کہ پاسپورٹ کے فارم میں ذریعہ معاش کے کالم میں مولانا نے ''صحافت'' درج کیا تھا۔ یہ صحافت تعمیری اور بامقصد صحافت تھی، اس میں درویشی پائی جاتی تھی اور اس کا بنیادی نقطۂ نظر یہ تھا کہ معاشرہ کو صالح فکری غذا پہنچائی جائے۔

آج کی صحافت کا معاملہ یہ ہے —— اور یہ بات مسلّمہ طور پر مانی بھی جاتی ہے —— کہ اب یہ ایک انڈسٹری بن چکی ہے۔ یہ درحقیقت حصولِ منفعت اور طلب منفعت کا ایک ذریعہ ہے۔ جیسے ایک کارخانہ ہے، اس میں سرمایہ لگانے والوں کو اپنے منافع سے اور اس میں کام کرنے والوں کو اپنے معاوضے سے غرض ہوتی ہے۔ اسی طریقہ سے صحافت فی الوقت بنیادی طور پر ایک انڈسٹری بن گئی ہے۔ پھر یہ کہ اب کچھ زوردار باطل نظریات بھی آچکے ہیں، جن کی گرفت ہمارے اکثر و بیشتر صحافیوں کے اذہان پر بڑی مضبوط ہے۔ مالکان کا عموماً حال یہ ہے کہ جیسے کبھی ''ادب برائے ادب'' کا نقطہ نظر تھا، اب ان مالکان کا نقطۂ نظر ''صحافت برائے صحافت'' ہے۔ ان کو تو اپنی ذاتی منفعت سے غرض ہے۔ ان کی طرف سے بھاڑ میں جائے اصلاحِ معاشرہ۔ معاشرے میں جس چیز کی مانگ ہے، ان کا فلسفہ یہ ہے کہ اس مانگ کو اور بڑھاؤ، خوب غذا دو، اس میں مسابقت کرو، یہی چیز ان کے لیے سونے کی کان ثابت ہوگی۔

اب رہا صحافیوں کا معاملہ! تو اس کو سمجھنے کے لیے آپ کو نصف صدی پیچھے کی طرف لوٹنا ہوگا، جب برصغیر پاک و ہند میں ''ادب برائے زندگی'' کا نظریہ بڑے زور و شور سے آندھی کی مانند اٹھا تھا اور ''ترقی پسند ادب'' کے نام سے عریانی، فحاشی، لذت پسندی کے شکر آمیز (sugar coated) ادب کے ذریعے مادّہ پرستی، الحاد، اباحیت اور اشتراکیت ہمارے پڑھے لکھے طبقے میں اتارنے کی بڑی منظّم مہم شروع کی گئی تھی۔ اس ترقی پسند ادب کے علمبرداروں کا فلسفہ یہ ہے کہ ادب کے ذریعے وعظ کہنا بالکل غلط ہے۔ ادب تو ایک آئینہ کی مانند ہوتا ہے اور آئینہ اصل

حقیقت کی عکاسی کرتا ہے‘ لہٰذا ادب کو معاشرے کے حقیقی خدوخال کا عکاس ہونا چاہیے۔ گویا ان کے نزدیک گندے کپڑوں کی برسرِعام نمائش ہی ادب کی معراج ہے۔ چنانچہ اس فلسفہ کے تحت ادب اور صحافت کے نام پر افسانوں اور ڈراموں کے ذریعے عریانی وفحاشی کا جو سیلاب آیا ہے‘ وہ رکا نہیں ہے۔ البتہ مصلحت بینی کی خاطر مختلف روپ اور بھیس بدلتا رہا ہے اور کسی نہ کسی بھیس میں آج بھی ہماری دینی‘ اخلاقی‘ معاشرتی اقدار و روایات کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے اور سرطان کی طرح جسدِ ملی پر مسلّط ہے۔ الغرض آج ہماری صحافت کا بالعموم مطمحِ نظر یہ ہے کہ معاشرے میں فی الواقع جو کچھ ہے‘ ہمیں تو بس اس کی عکاسی کرنی ہے۔ اس کے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں یا منفی‘ اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔

اب سوچیے کہ جب صحافت انڈسٹری بھی بن گئی ہو اور صحافت کا نظریہ بھی یہ ہو کہ جو کچھ معاشرے میں ہے ہمیں اسی کی عکاسی کرنی ہے‘ ہمیں کوئی وعظ نہیں کہنا‘ کسی اصلاح کا کوئی نظریہ اپنی طرف سے لوگوں کے ذہنوں میں نہیں اُنڈیلنا تو بالآخر اس کا نتیجہ پھر یہی ہے کہ جس چیز کی مارکیٹ میں ڈیمانڈ ہے وہی آپ کو پیش (produce) کرنی ہوگی‘ بلکہ باقاعدہ شیطانی چکّر (vicious circle) کے ذریعے اس کی ڈیمانڈ پیدا کی جائے گی —— جیسے ہر انڈسٹری کے لیے یہ کام ناگزیر ہوتا ہے کہ اپنے آئٹم کی ڈیمانڈ کے لوازم پورے کیے جائیں‘ مارکیٹ کے رجحان پر نظر رکھی جائے‘ اسی طرح صحافت میں بھی یہ اصول کارفرما ہے۔ چنانچہ اس تمام دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ڈیمانڈ میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے اور یہ فعل مسلسل اور دوطرفہ جاری رہتا ہے۔ ہوس کی تو کوئی حد نہیں ہوتی‘ چاہے وہ مال کی ہو‘ چاہے لذت کوشی کی ہو۔ اسی طرح منافع خوری کی بھوک بھی بڑھتی رہتی ہے اور لذت کوشی کی ہوس بھی۔

یہ ہے صحیح صورتِ حال اور اصل وطیرہ جو ہماری موجودہ صحافت میں نمایاں نظر آ رہا ہے اور پورے ملک کی صحافت میں اس سے جو لوگ محفوظ ہیں‘ ان کی حیثیت ایک بحرِ بیکراں کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی آب جو سے بھی فروتر ہے۔ آپ سوچیے کہ اس صحافت کے ذریعے ذہنوں اور دلوں میں قرآن کہاں اتر سکتا ہے؟ یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک مستقل کالم قرآن مجید کے ترجمے یا کسی دینی موضوع کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے‘ یا ادارتی صفحہ کی لوح پر کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ ضرور درج ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ہفتہ وار ایڈیشن میں مذہبی موضوعات کے لیے

چند صفحات بھی مخصوص ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ موجودہ صحافت کی جو موجِ رواں (main current) ہے‘ اس میں کسی درجے میں بھی صحافت کے ذریعے قرآن حکیم کا نفوذ‘ دینی اقدار کا فروغ‘ دینی تعلیم و تدریس اور تربیت‘ دینی لحاظ سے معاشرے کے اذہان وقلوب کی اصلاح کا نظریہ ومقصد‘ تقریباً معدوم کے درجے میں ہے۔ بلکہ اصل کام اس کے بالکل برعکس اور برخلاف بڑی اعلیٰ تکنیک کے ساتھ جاری وساری ہے اور اس میدان میں آزاد پریس اور حکومت کے ’’پریس ٹرسٹ‘‘ کے اخبارات وجرائد میں مسابقت کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔

دوسرا ذریعہ: ریڈیو اور ٹیلی ویژن

رہا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا معاملہ! تو یہ دونوں ذرائع ابلاغ براہِ راست حکومت کے کنٹرول میں ہیں۔ ان کا معاملہ پریس سے قدرے مختلف ہے۔ اس ضمن میں حکومت کی اپنی مصلحتیں ہیں اور مجبوریاں بھی۔ مصلحتیں تو یہ ہیں کہ معاشرے میں تفریح کا جو رجحان انتہا تک پہنچایا جا چکا ہے‘ اس کی رعایت ضروری ہے۔ تفریحات میں قوم وملت کو اس طرح محو رکھو کہ سنجیدہ مسائل پر دھیان دینے اور غور وفکر کرنے کا اسے موقع ہی نہ ملے۔ اس معاملے میں پریس اور ان ذرائع ابلاغ میں کمیت کا تو فرق ہوسکتا ہے‘ کیفیت کا نہیں۔ پھر حکومت کو اپنے کاموں کے تعارف اور پروپیگنڈے کے لیے بھی ان کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ سرکاری ونیم سرکاری تقاریب‘ غیرملکی اہم شخصیتوں کی پاکستان میں آمد و رفت‘ ان کے استقبال اور وداع‘ نیز پاکستان میں ان کی مصروفیات کو coverage دینی ہوتی ہے۔

اس حوالے سے حکومت کی مجبوریاں یہ ہیں کہ اگر ان ذرائع سے فی الواقع کوئی فکر پھیلانے کی منصوبہ بندی کی جائے تو ملک میں جو فقہی یا نظریاتی مسالک اور فرقے ہیں‘ ان سب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ دینی پروگرام ان مسالک اور فرقوں میں حصہ رسدی کے اعتبار سے تقسیم نہ کیے جائیں تو حکومت کو ہدفِ ملامت بننا پڑتا ہے‘ اس کی ساکھ کو صدمہ پہنچتا ہے۔ لہٰذا ہوتا یہ ہے کہ اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اتنے دیوبندی علماء آئیں تو اتنے بریلوی آنے چاہئیں اور اگر اتنے سنی آئے ہیں تو اتنے شیعہ حضرات آنے چاہئیں‘ ورنہ ایک عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ ہمارے ہاں ان ذرائع ابلاغ سے جو کھچڑی پیش کی جاتی ہے اس سے ہمارے ہاں پہلے سے موجود فکری انتشار (confusion of ideas) میں مزید

اضافہ ہو رہا ہے اور یہ صورتِ حال ان انتشارات کو دوام بخشنے اور مزید گاڑھا کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ چنانچہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ایسا کوئی منصوبہ نظر نہیں آتا کہ جس کے ذریعے قرآن کی اصل دعوت اور اس کے حقیقی پیغام (message) کو لوگوں تک پہنچایا جا رہا ہو اور اسے قلوب و اذہان میں راسخ کیا جا رہا ہو۔ گویا ''چوں بجاں در رفت'' والا معاملہ یہاں نظر نہیں آتا۔ میں یہ بات تنقیداً عرض نہیں کر رہا' بلکہ اس معاملہ میں حکومت کو واقعی مجبوریوں سے بھی سابقہ پیش آتا ہے۔ ''رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند'' والا معاملہ ہے۔ انہوں نے از خود اپنے قدموں میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں۔ میں صحیح صورت حال کا تجزیہ کر کے آپ کے سامنے لا رہا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ اصل میں حقیقت ہے کیا.....!!

تیسرا ذریعہ: نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم

نظامِ تعلیم کی طرف آیئے تو معاملہ اور بھی دگرگوں ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس پر نوکر شاہی کی آمریت مسلّط ہے جو نظامِ تعلیم میں کسی طور بھی کوئی بامقصد اور تعمیری تبدیلی کو کسی حال میں گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بیوروکریسی میں کچھ اللہ کے بندے کوئی تبدیلی اگر چاہتے بھی ہوں تو وہ انتہائی اقلیت میں ہونے کی وجہ سے بالکل بے اثر ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ موجودہ حکومت کتنے عرصے قبل اس فیصلے کا اعلان کر چکی ہے کہ خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیاں بنائی جائیں گی' لیکن اس کی طرف ساڑھے پانچ سال کے عرصے میں ''مارشل لاء حکومت'' کے باوصف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا(۲)۔ جس طرح اس حکومت سے قبل یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم جاری تھی' آج بھی جاری ہے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے کہ اس کی طرف پیش قدمی تو درکنار کوئی منصوبہ بندی بھی ہوئی ہو۔ پھر اس عرصے کے دوران خواتین کے لیے علیحدہ کسی نوع کے ایک کالج کا قیام بھی میرے علم کی حد تک تا حال عمل میں نہیں آیا۔ اس حکومت سے قبل جو خواتین کالج پہلے سے موجود تھے' وہی برقرار ہیں۔ میں ایک اعتبار سے اسے بھی غنیمت سمجھتا ہوں' کیونکہ جس نظریات کی حامل نوکر شاہی کی آمریت اس ملک پر مسلّط ہے' اس سے بعید نہیں کہ خواتین کے الگ کالجز بھی اس کی آنکھ میں

(۲) ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب ۱۹۸۲ء کا ہے' جبکہ آج قریباً پینتیس سال مزید گزرنے کے باوجود بھی خواتین کی الگ یونیورسٹیز قائم نہیں کی گئیں۔ (مرتب)

کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہوں اور وہ ان کا وجود مجبوراً گوارا کر رہے ہوں۔

غور کیجئے کہ خواتین کی یونیورسٹی کے قیام ہی میں نہیں بلکہ منصوبہ بندی تک میں رکاوٹ کون بنا ہوا ہے ـــــ موجودہ حکومت کے نظامِ تعلیم میں بہت اعلیٰ آفیسرز میں سے ایک صاحب کا' جن کو بلاشبہ اس نظامِ تعلیم کے ایک اہم ستون کی حیثیت حاصل ہے' یہ جملہ نہایت معتبر ذریعے سے میرے گناہگار کانوں تک پہنچا ہے کہ ''اگر لڑکیوں اور لڑکوں کی یونیورسٹیاں علیحدہ علیحدہ بنا دی گئیں تو لڑکوں کی یونیورسٹیاں تو لڑکیوں کے بغیر اس باغ کے مانند ہوں گی جس میں تتلیاں ہی نہ ہوں اور وہ باغ ہی کیا جس میں تتلیاں نہ ہوں!'' محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں کا نقطہ نظر اور اقدار یہ ہوں تو کیا خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیوں کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے؟

ہمارے نصابِ تعلیم کی زبوں حالی

ایک اور اہم تر اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ نظام اور ذریعہ تعلیم تو طلبہ کو ''علم'' منتقل کرنے کا نام ہے' لیکن سوال یہ ہے کہ وہ نصابِ تعلیم بھی موجود ہے یا نہیں جسے پہنچانا درکار ہے' جو طلبہ و طالبات کو ایک مؤمن کا ذہن و شعور دے سکے! مجھے افسوس اور دکھ کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ ایسا نصابِ تعلیم جس میں ہمارا دین رچا بسا اور سمویا ہوا ہو' سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ نظامِ تعلیم سے لے کر نصابِ تعلیم تک' ہمارا سارے کا سارا معاملہ مغرب کی خدا ناآشنا درس گاہوں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ ہمارے پاس تو جڑ اور بنیاد ہی اس وقت موجود نہیں ہے۔ یہ بات چھوڑ دیجئے کہ دینیات اور اسلامیات کا پیریڈ بھی اسکول یا کالجوں میں بطور ضمیمہ (appendix) شامل ہے یا اُردو کی درسی کتب میں چند مضامین دینی و اخلاقی تعلیم کے بھی شامل ہیں یا یہ کہ ہمارے ہاں ''اسلامیات'' کی تعلیم کا بھی ایم اے تک انتظام ہے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ نصابِ تعلیم کا بحیثیت مجموعی مزاج کیا ہے۔ وہ غیر محسوس طریقے سے کس نظریے' خیال اور عقیدے کو متعلّمین کے ذہنوں میں اتارتا اور hammer کرتا ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہمارا سارا ''علم'' تو یورپ و امریکہ سے مستعار لیا ہوا ہے' لہٰذا مجھے کوئی بتائے کہ کیا اس علم میں ''توحید'' کا اثبات ہے؟ نبوت و رسالت' وحی اور انزالِ کتب الٰہیہ کا اثبات ہے؟ بعث بعد الموت کا اثبات ہے؟ حشر و نشر' جزا و سزا اور جنت و دوزخ

کا اثبات ہے؟ وہاں تو الحاد‘ مادہ پرستی اور دہریت ہے اور اس رائج الوقت علم کا حال تو بقول علامہ اقبال یہ ہے کہ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ!

یہی بات اکبرالٰہ آبادی نے طنزیہ و مزاحیہ انداز سے یوں بیان کی ہے کہ ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی!

اگر ہمارے ہاں نصابِ تعلیم ایسا رائج ہو جس میں سائنٹیفک طریقے سے علم الحقائق یعنی قرآن حکیم سمویا ہوا ہو تو دیکھتے ہی دیکھتے ہماری نئی نسلوں کے اذہان میں عظیم تبدیلی آ سکتی ہے‘ حتیٰ کہ خود سائنس کی کتابیں اگر قرآنِ حکیم کی روشنی اور تعلیم کے پیش نظر مرتب کی جائیں گی تو اس سے خود بخود ذہنی و فکری سطح پر ایک عظیم انقلاب برپا ہو جائے گا‘ الحاد و دہریت اور مادہ پرستی کے اندھیارے چھٹ جائیں گے۔ اگر یہ بات سائنٹیفک طریقے سے قرآن کے استدلال کے مطابق آئے کہ یہ کائنات ایک اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور جن طبعی (physical) قوانین کے تحت یہ رواں دواں ہے‘ وہ اُسی کے بنائے ہوئے قوانین ہیں: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ﴾ (الاعراف:۵۴) ’’آگاہ ہو جاؤ اُسی کے لیے خلق بھی ہے اور امر بھی!‘‘ اور وہ ہر آن اس کی نگرانی اور تدبیر کر رہا ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ (السجدۃ:۵) ’’وہ تدبیر کرتا ہے اپنے امر کی آسمان سے زمین کی طرف‘‘..... سائنس کا طالب علم جب ابتدا سے اس ذہن کے ساتھ فزکس‘ کیمسٹری‘ بیالوجی اور جیالوجی کو پڑھے گا تو اس کا نقطۂ نظر خالص دینی ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر ابتدا ہی سے تصور یہ دیا جائے کہ کچھ پتا نہیں اس کائنات کو کوئی بنانے اور چلانے والا ہے بھی یا نہیں! تو یہی تصور ذہنوں میں راسخ ہو گا کہ یہ کائنات بطورِ حادثہ (accidentally) وجود میں آ گئی ہے اور بس قوانین فطرت کے تحت رواں دواں ہے۔ اگر سائنس اس ذہن سے پڑھائی جائے گی تو نتیجہ یہی نکلے گا‘ جس کے متعلق علامہ اقبال نے کہا ہے: ؎

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد
تجلی کی فروانی سے فریاد

گوارا ہے اسے نظارۂ غیر
نگہ کی نامسلمانی سے فریاد!

گویا ایسی صورتِ حال میں نامسلمانی تو آپ سے ہی آپ آئے گی۔

علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام.....

اسی ضمن میں علامہ کا ایک بڑا پیارا شعر ہے ؎

عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے؟
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

ہمارا ’’علم‘‘ عشق خداوندی سے بالکل خالی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ علامہ کے ہاں اردو اور فارسی شاعری میں زیادہ تر لفظ عشق ہی آیا ہے‘ محبت کا لفظ شاذ ہی کہیں ہو گا۔ علامہ اس شعر میں لفظ ’’عشق‘‘ محبت و معرفت الٰہی کے لیے لائے ہیں۔ علامہ کہتے ہیں کہ اس ’علم‘ میں سے ایمان و عرفان والی چیز تو نکلی ہوئی ہے تو اس کا حال اس نیام جیسا ہے جس میں تلوار ہی نہ ہو۔ بس ایک خول سا ہے جس کے اندر کچھ نہیں ہے‘ بس چند اعداد و شمار (facts and figures) ہیں اور کچھ data ہے۔ انسان انہی چکروں میں رہتا ہے اور ان کو ہی بالذات ’’حقیقی علم‘‘ سمجھتا ہے۔ اس علم میں خالق کائنات اور فاطر فطرت کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ اس کی نفی ہے۔ اس وقت کائنات اور انسان سے متعلق یہ علم ہمارے پاس ہے۔ سائنس کے علاوہ دوسرے علوم کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ دگرگوں ہے۔ معاشرتی علوم کو آپ دیکھیں گے‘ تاریخ اور فلسفہ تاریخ کو آپ پڑھیں گے‘ نفسیات‘ فلسفہ اور پولیٹکل سائنس کو پڑھیں گے‘ معاشیات و اقتصادیات اور عمرانیات و اخلاقیات کو پڑھیں گے تو ان کا معاملہ سائنس سے بھی گیا گزرا ہے۔ ان تمام کی رگ و پے میں مادّہ پرستی‘ الحاد اور دہریت اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے انسانی جسم میں خون!!

یہ ہے فی الواقع وہ صورتِ حال جس سے ہم دوچار ہیں۔ جب تک حقیقی علم یعنی وہ علم جس کی اساس قرآن حکیم ہو اور جو اپنے ظاہر اور باطن کے لحاظ سے توحید اور ایمان پر مبنی ہو‘ وہ ’علم‘ وجود میں نہ آئے محض نظامِ تعلیم کیا کرے گا؟ جو علم آپ کے پاس ہے‘ تعلیم اور نظامِ تعلیم تو اس کو متعلّمین کے اذہان و قلوب میں منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ تو فکر و نظر اور کردار و عمل کے

لیے ایک راستہ معین کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس موجودہ علم کا قرآن حکیم کے ساتھ کوئی ربط و تعلق‘ کوئی رشتہ و وابستگی‘ کوئی جوڑ اور کوئی پیوند موجود نہیں ہے۔ اس میں قرآن اور حکمت و استدلالِ قرآن سے ہم آہنگی موجود ہی نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو علم دستیاب ہے‘ وہ مغرب ہی سے مانگا تانگا علم ہے۔ کبھی ہم نے ان کو علم دیا تھا اور مغرب نے غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں سے علم لیا تھا‘ اب ہم وہاں جا کر ناک رگڑتے ہیں اور وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے کر آتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اب ہم بھکاری ہیں اور ان سے بھیک مانگ کر ان کا ہی علم لے کر آ رہے ہیں۔ اب وہیں سے علم کے لوازمات آ رہے ہیں جس سے ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن کا وہ سانچہ بن رہا ہے جس میں اللہ‘ خالق کائنات‘ وحی‘ نبوت و رسالت‘ الہامی کتب‘ بعث بعد الموت اور محاسبۂ اُخروی کے ایمانیات سما ہی نہیں سکتے۔ ایسی صورتِ حال میں دین صرف ایک موروثی عقیدہ (dogma) بن کر رہ جاتا ہے اور اکثر لوگ تو اس خواہ مخواہ کے dogma کو بھی تج دیتے ہیں۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

معلوم یہ ہوا کہ تینوں اعتبارات سے اصلاحِ معاشرہ کے معاملے میں اگر حکومت واقعی مخلص ہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ عزمِ مصمم کے ساتھ مخلصانہ اور مضبوط مساعی (determined efforts) کرے۔ لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ حکومت کے کرنے سے یہ سب کچھ ہو جائے گا‘ اس لیے کہ حکومت کی اپنی حدود (limitations) ہیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کی تو اپنی مصلحتوں کا معاملہ بھی ہے اور مجبوریوں کا بھی۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جن کو ہوش آ گیا ہو‘ جن کے سامنے یہ پورا نقشہ موجود ہو‘ جن کے سامنے اصل مرض اور اس کی صحیح تشخیص موجود ہو‘ اب ان میں سے کچھ باہمت لوگ کمر ہمت کسیں اور میدان میں آئیں۔ پھر سب سے اہم کام یہ کریں کہ قرآن حکیم کی فکری سطح پر نشر و اشاعت کا اہتمام کریں‘ جو لوگوں کے ذہنوں کو مسخر کر کے ان کے قلوب میں سرایت کر سکے۔ پھر یہ کہ پورے علم کی از سرِ نو تدوین اس نوع سے کریں کہ تمام علوم میں قرآن حکیم رچ بس جائے۔ خواہ فزکس پڑھائی جا رہی ہو‘ چاہے کیمسٹری‘ جیالوجی یا بیالوجی پڑھائی جا رہی ہو‘ خواہ کوئی اور علم پڑھایا جا رہا ہو‘ ان علوم میں اور قرآن حکیم کی تعلیمات میں ہم آہنگی پورے طور پر موجود ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کام کرے کون؟ اس مرحلہ پر پھر علامہ اقبال ہی کا شعر میرے

ذہن میں آ رہا ہے ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارا!

افراد آگے آئیں اور مل کر ادارے بنائیں اور ان کاموں کا آغاز کریں۔ جیسے جیسے معاشرے سے response ملتا جائے‘ کام کو آگے بڑھایا جائے۔

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی فکر اور ان کی جِدّ و جُہد

اس موقع پر میں دو مثالیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ پہلی مثال تو ہے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی‘ جو میں کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں اور لکھ بھی چکا ہوں۔ حال ہی میں ماہنامہ ’’حکمتِ قرآن‘‘ کے شمارے میں‘ میں نے ’’دعوت رجوع الی القرآن‘‘ کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں‘ میں نے ذکر کیا ہے کہ میں نے فہم قرآن کے لیے جن جن ذرائع (sources) سے استفادہ کیا ہے‘ ان میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم بھی شامل ہیں۔ علومِ سائنس کو مسلمان بنانے کے ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی سوچ اور ان کا فکر بہت بلند ہے (۳)۔ ان کو جس شدت کے ساتھ اس کی اہمیت کا احساس ہوا‘ وہ مجھے اور کہیں نظر نہیں آیا۔

اس موقع پر بھی اس امر واقعہ کو پھر دیکھ لیجئے کہ ہمارے ہاں نوکر شاہی اور بیوروکریسی کا عمل دخل کتنا ہے۔ اُس زمانے میں جبکہ صدر ایوب مرحوم ’’کوسِ لمن الملک‘‘ بجا رہے تھے (ان کا اختیار اور دبدبہ ذرا ذہن میں لائیے!) وہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے فلسفے اور نظریات سے متاثر ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ یہ فلسفہ نظامِ تعلیم میں سمو دیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے بھرپور کوشش کی‘ لیکن ہمارے ہاں جو بیوروکریٹک ڈکٹیٹرشپ مسلط ہے‘ وہ آڑے آئی اور صدر ایوب بھی‘ جن کے لیے اگر ’’حاکم مطلق‘‘ کی اصطلاح استعمال کی جائے تو غلط نہ ہوگا‘ کچھ نہ کر سکے اور ساری اسکیم دھری رہ گئی۔

اس کے بعد ایک اور مرحلہ آیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ خدا بخش بُچّہ صاحب اکثر حکومتوں کے دور میں وزیر رہے ہیں۔ کچھ لوگوں میں صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ خود کو ہر نوع کے ماحول کے

(۳) اس ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی تالیف ’’قرآن اور علمِ جدید‘‘ کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔ (مرتب)

ساتھ سازگار (adjust) کر لیتے ہیں۔ بُچّہ صاحب کو علامہ اقبال کی شاعری اور ان کے فکر سے بڑی گہری ذہنی مناسبت تھی۔ ان کے متعلق چودھری مظفر حسین صاحب‘ جو اس وقت آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور سے متعلق ہیں‘ نے روایت کی ہے (اور یہ روایت بھی میں نے ’حکمت قرآن‘‘ میں لکھ دی ہے) کہ بُچّہ صاحب نے چودھری صاحب سے نہایت اصرار کے ساتھ فرمائش کی کہ مجھے کوئی ایسا شخص بتایئے جو نظامِ تعلیم کو اسلامی بنا سکتا ہو‘ لیکن اس پر جماعت اسلامی کی چھاپ نہ ہو۔ (چونکہ جماعت اسلامی سیاسی میدان میں ہے اور اس کے کسی شخص کو لاتے ہیں تو دوسری پارٹیوں کے سیاست دان معترض ہوں گے۔) چودھری مظفر حسین صاحب نے بتایا کہ وہ مولانا مودودی مرحوم کے پاس گئے اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ مولانا مرحوم نے فوراً‘ ایک لحہ کے توقف کے بغیر‘ کہا کہ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب اس کام کے لیے مناسب ترین شخص ہیں‘ ان کی خدمات سے استفادہ کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کو بلوایا گیا اور یہ کام ان کو تفویض کیا گیا‘ لیکن پھر وہی نوکر شاہی کی آمریت آڑے آئی اور ان کو کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم جب اس صورتِ حال سے دوچار ہوئے تو انہوں نے وہاں سے استعفا دیا اور پھر بحیثیت فرد انہوں نے اپنے فکر کے مطابق کام کے آغاز کے لیے ’’آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس‘‘ قائم کی۔ فزکس کی ایک نصابی کتاب (text book) خود مرتب کر کے شائع کی اور اس کے دیباچے میں لکھا کہ اگر فزکس اور دوسرے علوم کو اس طور پر مرتب کیا جائے تو اس میں اسلام‘ قرآن اور ایمان کو رچایا‘ بسایا اور سمویا جا سکتا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ ان کی زندگی کا چراغ اچانک ایک روڈ ایکسیڈنٹ کے نتیجہ میں کراچی میں گُل ہو گیا اور وہ پوری کی پوری اسکیم پھر دھری رہ گئی۔ ادارہ تو باقی رہا اور اب بھی ہے‘ لیکن وہ روحِ رواں جب نہ رہی تو جو اعوان و انصار ساتھ تھے‘ وہ کام کو آگے نہ بڑھا سکے۔ اب چودھری مظفر حسین صاحب سوچ رہے ہیں کہ ملازمت سے فارغ ہو کر ہمہ تن اس کام کے لیے خود کو وقف کر دیں۔ اللہ کرے کہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کا لگایا ہوا یہ پودا پروان چڑھے اور یہ ادارہ فی الواقع وہ کام کر سکے جس کی فی الوقت شدید ترین ضرورت ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں پہلی مثال تو ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز

دوسری مثال میں خود اپنی پیش کرتا ہوں۔ یہ مرکزی انجمن خدام القرآن اور یہ دعوت رجوع الی القرآن ایک فرد ہی سے تو شروع ہوئی تھی۔ میں ۱۹۶۵ء کے اواخر میں ساہیوال سے لاہور منتقل ہوا کہ مجھے اپنی زندگی دعوت رجوع الی القرآن کے لیے لگانی ہے۔ میں نے آج جو تجزیہ اور تشخیص آپ کے سامنے رکھی ہے‘ اس وقت بھی یہی میرے سامنے تھی‘ بلکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بات تو اُس وقت تک میرے علم میں تھی بھی نہیں۔ وہ تو بہت بعد میں جب میرے سامنے آئی تو مجھے اطمینان ہوا کہ ع ’’متفق گر دید رائے بوعلی با رائے من‘‘ اور مجھے انشراحِ صدر ہو گیا۔

علامہ اقبال کے فارسی کلام سے بھی اس وقت میرا زیادہ ربط نہیں تھا۔ جب علامہ کا فارسی کلام پڑھا اور ان کے فارسی کلام کے ذریعے عظمت قرآن کے جو حقائق سامنے آئے تو یہ بھی بعد کی بات ہے۔ اس سے قبل ہی میرا ذہن غور و فکر کے بعد اس بات پر مرتکز ہو چکا تھا کہ ’’جا ایں جا است!‘‘ کرنے کا اصل کام یہی ہے کہ قرآن حکیم کو اعلیٰ علمی سطح پر تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں پہنچانے کی اس طرح کوشش کی جائے کہ یہ پہلے فکر و شعور اور عقل و ادراک کو مسخر کرے اور وہاں سے پھر یہ قلوب میں سرایت و نفوذ کرے۔ یہ ہے اصل میں اس دور کی اصل ضرورت۔ قرآنی فکر کو by-pass کر کے کوئی دعوت اٹھائی گئی یا تحریک چلائی گئی تو معاشرہ بحیثیت مجموعی کوئی خوشگوار اور پائیدار تبدیلی کبھی قبول نہیں کرے گا۔ یہ کام یقیناً مشکل اور کٹھن ہے‘ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اعلیٰ فکری سطح پر قرآن مجید کی قوت سے باطل نظریات سے پنجہ آزمائی کرنا سہل کام نہیں ہے۔ وعظ و نصیحت کے ذریعے سے کچھ لوگوں کے اندر سوئی ہوئی نیکی کو جگا لینا نسبتاً آسان کام ہے۔ معاشرے میں معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی ہو گی جن کے اندر نیکی خوابیدہ ہے اور اسے بیدار کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے تو وعظ و نصیحت کارگر ہو جائے گی‘ لیکن جب یہ معاملہ ہو کہ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ!

یعنی ذہن و شعور اور فکر و نظر پر جب باطل نظریات نے پوری طرح قابو پا رکھا ہو تو ان سے پنجہ

آزمائی آسان کام نہیں۔ یہ بڑا کٹھن‘ نہایت دشوار‘ صبر آزما اور دِقت طلب (herculean) کام ہے۔ لیکن جب تک یہ کام نہیں کیا جائے گا‘ معاشرے میں کوئی پائیدار اور مستحکم بنیادی و اساسی تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہ میرے اپنے غور وفکر کا حاصل اور میری اپنی تشخیص تھی جس کے مطابق میں نے اواخر ۱۹۶۵ء میں دعوت رجوع الی القرآن کا ذہن میں نقشہ بنا کر خالصتاً نصرت وتائید الٰہی کے بھروسے پر ۱۹۶۶ء کے اوائل سے کام کا آغاز کر دیا۔ سات سال تک میں نے ایک فرد کی حیثیت سے کام کیا۔ کوئی ادارہ نہیں‘ کوئی تنظیم نہیں‘ کوئی انجمن نہیں‘ کوئی جماعت نہیں۔ پورا کام انفرادی طور پر ہوا۔ میں نے ماہنامہ ’’میثاق‘‘ بھی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سے لے لیا تھا‘ وہ بھی نکال رہا تھا۔ بعد ازاں بعض مخلصین میسر آئے اور ان کے تعاون سے مختلف مقامات پر مطالعہ درسِ قرآن کے حلقے قائم ہوئے۔ اس دوران پریکٹس بھی جاری رہی۔ اس دور میں میری کیفیت مولانا حسرت موہانی مرحوم کے اس شعر کی کامل تصویر تھی کہ ؎

ہے مشقِ سخن جاری‘ چکّی کی مشقت بھی
اِک طرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی!

مرکزی انجمن خُدّام القرآن کا قیام

اس دور میں پریکٹس اور دعوتی کام دونوں ساتھ چل رہے تھے۔ مولانا اصلاحی کی تفسیر ’’تدبّرِ قرآن‘‘ کی پہلی جلد اور اپنے چند چھوٹے چھوٹے رسالے اپنے ذاتی اشاعتی ادارے (دارالاشاعت الاسلامیہ) سے شائع کیے تاکہ دعوت و پیغامِ قرآنی کے لیے راہ ہموار ہو اور کچھ ابتدائی کام (spade work) انجام پا جائے۔ بالآخر میری حقیر سی کوشش بارگاہِ ربّ العزت میں قبول ہوئی اور چند فعال اعوان و انصار مجھے عطا ہوئے جن کے تعاون سے یہ کام انفرادی سطح سے اجتماعی دور میں داخل ہوا۔ ان حضرات کے تعاون سے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کا قیام عمل میں آیا‘ جس کے دستور کا افتتاحیہ آپ حضرات ضرور پڑھیے۔ اس سے آپ کے سامنے اس کام کا نقشہ سامنے آئے گا جو میں کر رہا ہوں۔ یہ وہی کام ہے‘ جس کی ضرورت کا میں نے آج کی تقریر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میں جو کام کر رہا ہوں‘ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس میں سراسر اللہ کی توفیق اور اس کا فضل وکرم میرے شامل حال

رہا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اُس نے مجھے تابع (possess) کیا ہے۔ وہ میرے شعور وقلب پر اس طرح مسلط ہوا ہے کہ اس نے میرے لیے ملنے جلنے اور اِدھر اُدھر دیکھنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ چنانچہ پروفیشن ختم ہوا۔ دعوت رجوع الی القرآن کی دھن اور لگن کے سوا ہر شے دل سے رخصت ہوگئی اور اب حضرت مجذوب کے شعر کے مصداق میری کیفیت یہ ہے کہ ؎

ہر تمنّا دِل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی!

میں نے انجمن کے دستور میں حفیظ جالندھری صاحب کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے منظوم ’’شاہنامہ اسلام‘‘ شروع کرتے وقت کہا تھا ؎

کیا فردوسیٔ مرحوم نے ایران کو زندہ!
خدا توفیق دے تو میں کروں اسلام کو زندہ!

میں نے دوسرے مصرعہ میں اپنی کیفیت کے اظہار کے لیے ایک لفظ کا تغیر کیا ہے اور وہاں لکھا ہے کہ ع ’’خدا توفیق دے تو میں کروں قرآن کو زندہ‘‘۔ الحمدللہ‘ مجھ پر اس جذبے کی اس قدر ارزانی ہوئی کہ دل سے ہر شے نکل گئی اور میں اپنا پروفیشن تج کر ہمہ وقت‘ ہمہ تن اور ہمہ جہت اللہ تعالیٰ کی نصرت کے طفیل اسی کام میں لگا ہوا ہوں۔

میں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ یہ بتا رہا ہوں کہ **الحمد لِلّٰہ والمنّۃ** ۱۹۷۲ء کے بعد میرے وقت کا کوئی بھی حصہ کسب معاش پر صرف نہیں ہوا۔ میری توانائی‘ میری قوت‘ میری صلاحیت اور میرا وقت جو کچھ بھی ہے وہ اسی کام میں لگا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی وقت منفعت کی کوئی دوسری شکل بھی پیدا کر دی۔ وہ یہ کہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے پروگرام ملے تو ان کا معاوضہ بھی مل گیا‘ لیکن میں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی طرف رجوع اس نقطۂ نظر سے ہرگز نہیں کیا کہ اس سے مجھے اپنے لیے معاش پیدا کرنی ہے۔ معاذ اللہ‘ ثم معاذ اللہ! تاہم ثانوی طور پر جو کچھ یافت ہوگئی تو میں نے یہ سمجھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾ ﴾ (القصص) ’’پروردگار! جو خیر بھی تو میری جھولی میں ڈال دے‘ میں اس کا محتاج ہوں‘‘۔ بالکل میرا بھی یہی معاملہ تھا۔ الحمدللہ‘ ثم الحمدللہ!!

ان دس سالوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو کام لیا ہے' اس کے متعلق مجھے کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ یہ مرکزی انجمن خدام القرآن' یہ قرآن اکیڈمی' پھر پاکستان ہی نہیں دوسرے ممالک میں دعوت رجوع الی القرآن کا یہ چرچا اور لوگوں کا قرآن کی طرف یہ التفات۔ یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے!

مرکزی انجمن خُدّام القرآن کے قیام کا مقصد

اب میں چاہوں گا کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی قرارداد تاسیس کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھ دوں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ابتدا ہی سے کیا کام میرے پیش نظر رہا ہے:

''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قیام کا مقصد

منبع ایمان —— اور سرچشمہ یقین —— قرآن حکیم کے علم وحکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر واشاعت ہے تاکہ امت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو اور اس طرح —— اسلام کی نشأۃِ ثانیہ —— اور —— غلبۂ دین حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہو سکے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ!!''

میری آج کی تقریر کو پیش نظر رکھیے اور اس قرارداد تأسیس کے ایک ایک لفظ پر غور کیجیے۔ آپ کو میری یہ تقریر اسی قرارداد کی تشریح وتصریح نظر آئے گی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس قرارداد کے ایک ایک لفظ میں آپ کو میری تقریر کا خلاصہ نظر آئے گا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ دس بارہ برس قبل کی عبارت ہے اور ان سالوں میں جو کام ہوا ہے اس میں میرے کسی ذاتی کمال کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس سارے کام میں اللہ ربّ العزت کی توفیق' قرآن کا اعجاز اور میرے اعوان وانصار' رفقاء ومعاونین اور احباب کا تعاون شامل ہے' اور ظاہر بات ہے کہ ان حضرات کا یہ تعاون بھی عطیۂ الٰہی ہے۔ کوئی ہمدرد' رفیق اور معاون ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے کرم وفضل سے ہی ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تمام انسانوں کے دل اللہ کی انگلیوں کے مابین ہیں' وہ جدھر چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ چنانچہ ہمیں دعا کرنی چاہیے: اَللّٰھُمَّ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلَی الْاِسْلَام وَ اِلَی الطَّاعَۃِ وَ اِلَی الْاِیْمَانِ وَ اِلَی الْقُرْآن یعنی اے ہمارے مالک! ہمارے دلوں کو پھیر دے' اسلام کی طرف' اطاعت کی طرف' ایمان کی طرف اور قرآن کی طرف' جو منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے۔

انجمن کے پیش نظر ہے قرآن اکیڈمی کا صحیح طور پر اپنے مقصد کے حصول کی طرف پیش قدمی کرنا۔ یعنی چند جدید تعلیم یافتہ فہیم عناصر کو قرآن کے علم وحکمت سے اعلیٰ علمی سطح پر اس طرح مسلح کرنا کہ وہ جاہلیت جدیدہ کے ملحدانہ نظریات کا قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں اعلیٰ علمی وفکری سطح پر ابطال اور توحید کا احقاق کر سکیں' اور علم کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنا کر ایسا نصابِ تعلیم مرتب کرنے کے کام کا آغاز کر سکیں جو اذہان کو مسخر کر کے قلوب میں نفوذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہی وہ کام ہے جس کی ضرورت کا احساس اپنے زمانۂ آخر میں علامہ اقبال کو ہوا' جس کے نتیجے میں پٹھان کوٹ میں ''دارالسلام'' قائم ہوا تھا۔ اسی ضرورت کے تحت 'الہلال' و' البلاغ' والے مولانا ابوالکلام نے ''دارالارشاد'' قائم کیا تھا۔ ان دونوں اداروں کے قیام میں بھی یہی مقصد پیش نظر تھا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ فہیم عناصر کو اعلیٰ علمی وفکری سطح پر قرآن مجید پڑھایا جائے۔ میں نے ان دونوں نقشوں کا ذکر اپنے کتابچے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' میں کیا ہے۔ یہ دونوں کام صرف ابتدائی نقشوں تک محدود رہے' آگے نہ بڑھ سکے۔

وہی خواب تیسری مرتبہ میں نے ۱۹۶۷ء میں اپنے فکر وشعور کی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس کو اپنے کتابچے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' میں تفصیل سے بیان کر دیا تھا۔ یہ کتابچہ ہی دراصل انجمن کے قیام اور اس کی سرگرمیوں کا نقطہ آغاز بنا۔ اور اب تک جو کچھ بھی کام ہوا ہے وہ ''قرآن اکیڈمی'' کے صحیح نہج پر پیش رفت کے نقطہ نظر سے ہوا ہے تاکہ اس اکیڈمی کے ذریعے اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ چند فہیم نوجوانوں کو وہاں رکھ کر انہیں اعلیٰ علمی وفکری سطح پر علومِ قرآنیہ ودینیہ سے روشناس کرایا جائے تاکہ ''علم'' کو مسلمان بنانے کے راستے کا دروازہ کھلے اور یہ نوجوان تمام علوم جدیدہ میں قرآن حکیم کی تعلیمات کو داخل کرنے اور سمونے کی صلاحیت اور استعداد اپنے اندر پیدا کر کے اس کوشش کا آغاز کر سکیں۔ جب تک وہ ''علم'' جو ملحد ہے' کافر ہے' اس ''علم'' کو مسلمان نہ بنایا جائے اس وقت تک ہم یہ کہنے کے قابل نہیں ہو سکتے کہ یہ وہ نصابِ تعلیم ہے جس کے ذریعے سے لوگوں کے اذہان وقلوب میں قرآن حکیم اتارا جا سکتا ہے۔ اس کے بغیر اگر ہم نصاب کو بدلنے کا مطالبہ کریں تو ہوگا کیا؟ وہ نصاب تو موجود ہی نہیں ہے' جس میں قرآن اور دین رچا بسا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ان مطالبات سے وقتی طور پر کچھ سطحی نوعیت کی تبدیلیاں ہو جائیں' جیسی کہ گاہے گاہے کچھ ہوتی بھی رہی ہیں' لیکن بحیثیت

مجموعی ''مسلمان علم'' ہمارے پاس موجود ہی نہیں ہے۔ اسے وجود میں لانے کی ہمیں بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ چند اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان مل گئے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اسی کام کے لیے وقف کرنے کے عزم کے ساتھ قرآن اکیڈمی میں طالب علمانہ حیثیت سے شمولیت اختیار کی ہے۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا مزید فضل و کرم یہ ہوا کہ قرآن اکیڈمی کی اس رفاقت اسکیم میں میرے دو بچے بھی شامل ہیں جن میں سے ایک نے ایم بی بی ایس اور دوسرے نے فلسفہ میں ایم اے کیا ہے۔

ہمیں قرآن اکیڈمی کے اس منصوبے کو آگے بڑھانے کے لیے تعاون اصلاً تعلیم یافتہ نوجوانوں کا درکار ہے جو اپنے خوش نما کیریئرز کو اللہ کے دین اور اس کی کتابِ مبین کی خدمت کے لیے تج کر خود کو قرآن اکیڈمی کی رفاقت اسکیم کے لیے پورے عزم صمیم کے ساتھ پیش کریں۔ وہی میرے اصل معاون اور حقیقی محسن ہوں گے۔ پیسے کی مجھے اتنی ضرورت نہیں ہے' میرا ان سترہ سالوں کا تجربہ یہ ہے کہ آج تک کوئی کام پیسے کی کمی کی وجہ سے نہیں رکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ 'ان شاء اللہ' آئندہ کبھی رکے گا بھی نہیں۔ ہمارے معاشرے میں ایسے اصحابِ خیر بحمد اللہ موجود ہیں جو اس کام میں مالی تعاون کے لیے پیش قدمی کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی کریں گے۔ اصل ضرورت تو آدمی ہیں ع ''انسانم آرزوست!'' ان نوجوانوں کی ضرورت ہے جنہوں نے اعلیٰ تعلیم یعنی فلسفہ' نفسیات' پولیٹیکل ہسٹری' پولیٹیکل سائنس' معاشیات' اقتصادیات' عمرانیات و اخلاقیات نیز فزکس جیسے علوم میں ایم اے یا پی ایچ ڈی کیا ہو' اور ان کے سامنے جو کیریئر ہے اس کو ترک کر کے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو حرزِ جاں بنائیں: ((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ)) کہ تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم سیکھیں اور سکھائیں' قرآن پڑھیں اور پڑھائیں' اور اسی کام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور اس کے راوی ہیں خلیفۂ برحق' شہید مظلوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جن کو قرآن حکیم سے والہانہ لگن تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو چوٹی کے قراء تھے' عثمان غنیؓ ان میں شامل تھے۔ آپؓ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوئے ہیں اور آپؓ کا خون گرا ہے آیت قرآنی فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللّٰهُ پر! چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو اپنا motto بنائیں۔

خلاصۂ کلام

سابقہ جمعہ اور آج کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اصلاحِ معاشرہ کے لیے اصل ضرورت حقیقی ایمان کی ہے' جس کی مثبت اساسات (۱) محبتِ الٰہی' (۲) محبتِ رسول ﷺ اور (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت کے جذبات ہیں —— اور منفی اساس خوف کا جذبہ ہے جس میں اصل اہمیت آخرت کے خوف کو دلوں میں بٹھانا ہے۔ ایمان کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید ہے' لہٰذا اس کو اوڑھنا اور بچھونا بنانا ہوگا اور اس کی تعلیمات کے لیے پریس' ریڈیو' ٹیلی ویژن کے ذرائع ابلاغ کو ایک بامقصد منصوبہ بندی کے تحت استعمال کرنا ہوگا۔ ان کو ان تمام لغویات سے پاک کرنا ہوگا جو لوگوں کو غیر شعوری طور پر نامسلمان اور لذت کوش و تعیش پسند بنانے کا سبب بن رہی ہیں۔ پھر علم کو خالصتاً مسلمان بنانا ہوگا۔ تمام علوم کو از سرِ نو اس طرح مدوّن کرنا ہوگا کہ اس میں قرآن حکیم کا علم الحقائق تانے بانے کی طرح گتھا ہوا ہو۔

اس سلسلہ تقاریر کا تیسرا اور آخری حصہ ''اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی تصور'' کے عنوان سے میں' ان شاء اللہ' آج شام جناح ہال میں مرکزی انجمن کی دس سالہ تقریبات کے افتتاحی اجلاس میں پیش کروں گا۔ نظام درست نہیں ہوگا تو معاشرہ درست نہیں ہوگا۔ نظام ظالمانہ' جابرانہ اور استحصالی ہوگا تو اس کے نتیجے میں نفرت و کدورت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں گے' مثبت احساسات و جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اگر اس نظام کو بدلنے کے لیے یہاں صحیح نہج پر اسلامی انقلاب کی کوششیں نہ کی گئیں تو اصلاحِ معاشرہ کے لیے اوپر کی لیپا پوتی سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ !!

❁❁❁

علماء وخطباء اور ائمہ مساجد کے نام

مرجع العلماء، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

کا خاص مکتوب، اہم وصیت اور زندگی کی آخری تحریر

شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ، رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ مگر آپ کا تابناک کردار تا اَبد زندہ رہے گا، اور آنے والی نسلوں کو رہنمائی دیتا رہے گا۔ آپ محض لفظوں کے نہیں بلکہ عمل کے آدمی تھے۔ پوری زندگی علم و عمل اور عزم و عزیمت کے ساتھ گزاری۔ دین پر تصلّب، سنّت پر مداومت، تمسّک بالحدیث، اہلِ حق کی اتباع، اور اَکابرِ وقت کی صحبتوں نے آپ کو دُرِّ مکنون بنا دیا تھا۔ دورِ حاضر کے اکثر بڑے علماء، شیوخِ حدیث اور مشائخِ وقت آپ کے براہ راست یا بالوسطہ شاگرد تھے۔ اللہ پاک نے آپ کی ذات کو مرجعیت کا مرکز بنا دیا تھا۔ آپ حق گو تھے اور بلا خوف لومۃ لائم کلمۂ حق ادا فرماتے۔ آپ کی حق گوئی محض اَغیار کے لیے نہ تھی بلکہ اگر اپنوں میں کوئی قابل اصلاح بات دیکھتے، کہیں کسی ہم مسلک فرد کو اکابر کی راہ سے برگشتہ پاتے تو نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے۔ اخیر عمر میں امت کے حوالے سے آپ کی فکرمندی بہت بڑھ گئی تھی۔ اَفراد واشخاص اور جماعتوں کو خطوط، زبانی پیغام یا فون کے ذریعے ضرور متوجہ فرماتے۔ آپ کی اہلِ حق کے مختلف طبقات پر گہری نگاہ تھی، ان میں در آنے والی کمزوریوں اور خامیوں کا بھی ادراک رکھتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ حضرات مشائخ کرام کے تتبع میں عمومی خطوط کے ذریعے ایک تسلسل کے ساتھ بعض اہم دینی امور کی طرف متوجہ کیا جائے۔ زیرِ نظر خط اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ آپ اس کے مندرجات کو ملاحظہ فرمائیے، اب یہ محض ایک دلِ دردمند کی آواز نہیں بلکہ اہل حق سے وابستہ ہر فرد کے لیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت بھی ہے اور آئندہ کا لائحہ عمل بھی۔ قارئین کرام سے درخواست ہے اسے صرف حضرت والا کی ایک تحریر سمجھ کر نہ پڑھیں بلکہ توشۂ خاص خیال فرمائیں، اور اس پیغام کی اصل روح کو اپنے رگ و پے میں جذب کریں۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم،

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.....﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

و قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.....﴾ (التوبۃ: ۷۱)

گرامی قدر.....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

ایک عرصے سے دل میں خیال پختہ ہو رہا تھا کہ آں جناب کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جائے، اس عریضے کے ذریعے آپ کی خدمت میں اپنے دلی جذبات کا اور عمومی طور پر ہمارے دینی احوال پر اپنی فکرمندی کا اظہار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم نبوت کا وارث و امین بنایا ہے اور منبر و محراب کے ذریعے دینِ حق کے بیان اور تبلیغ و اشاعت کے لیے منتخب فرمایا ہے، یہ ایک بہت بڑا اعزاز بھی ہے اور ذمہ داری بھی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس منبر و محراب اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے طاقت ور ذریعہ ہے اور اس ذریعے سے امتِ مسلمہ کے لیے دینی خدمات کا فریضہ کافی حد تک انجام دیا جا رہا ہے —— لیکن اگر معاشرے میں پھیلے فساد و بگاڑ کے ساتھ اپنی سعی و کاوش کا موازنہ کیا جائے تو غالباً ہمیں خود پر شرمندگی ہوگی۔

آج کے دور میں معاشرتی بگاڑ جس قدر بڑھ گیا ہے، اس کا احاطہ کرنا شاید ممکن نہ ہو۔ پہلے یہ بگاڑ اپنے اثرات کے اعتبار سے محدود ہوتا تھا، بعض مخصوص اَذہان و افراد یا مخصوص طبقات ہی اس کا شکار ہوتے تھے، مگر اب ایسا نہیں ہے، اس بگاڑ نے ہمارے ان طبقوں کو، افراد و اشخاص کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جو امت کے مقتدا اور پیشوا ہیں۔ اخلاقیات کے باب

میں وہ تمام برائیاں جن کا تصور کیا جاسکتا ہے ہمارے معاشرے میں پائی جارہی ہیں۔ منکرات ومحرمات کا شیوع بڑھ گیا ہے۔ مسلمانوں کو بے دینی‘ اخلاقی بے راہ روی اور بدعقیدگی میں مبتلا کرنے کے لیے باطل ہر رنگ وروپ میں اپنی تمام سائنسی ایجادات اور آلات ووسائل کے ساتھ مصروف ہے۔ باطل کے پاس ٹیکنالوجی بھی ہے اور حکومت وقانون کی لاٹھی بھی۔ وہ اپنے نصابِ تعلیم وتربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے دماغوں کو بدل رہا ہے‘ اور ہمارے معاشرتی نظام میں پوری قوت کے ساتھ شگاف ڈال رہا ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں کچھ جاننا چاہیں تو صرف ایک دن کے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجیے‘ آپ کو اپنی قوم کے اخلاقی دیوالیہ پن اور باطل کی کامیاب محنتوں کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا۔ ماہ نامہ ’’وفاق المدارس‘‘ ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ کے شمارے میں ہم نے متحدہ امریکا کے کمیشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی کے تعاون سے شائع ہونے والی رپورٹ ’’پاکستان میں عدم برداشت کی تدریس‘‘ کا جائزہ پیش کیا تھا۔ یہ رپورٹ ہم سب کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ باطل نے نہایت مسرت کے ساتھ بتایا ہے کہ اس کا پیغام پورے اثرات کے ساتھ ہر ہر جگہ پہنچ رہا ہے۔ باطل اپنی محنت سے اس قدر پرامید ہے کہ اب وہ دِیدہ دلیری اور دَریدہ دَہنی کے ساتھ ہمیں کہہ رہا ہے کہ ’خاکم بدہن‘ العیاذ باللہ‘ ہم اسلام کو سچا دین سمجھنا چھوڑ دیں۔

اس کے بعد ذرا ہم اپنی ذمہ داریوں اور اپنی مساعی کا جائزہ لیں تو معاف فرمایئے گا بہت حوصلہ شکن صورت حال سامنے آئے گی۔ مجھے کہنے دیجیے کہ ہم میں سے اکثریت‘ جس کا علومِ نبوت پر دسترس کا دعویٰ ہے‘ وہ محض جمعہ کے بے روح بیان پر قانع ہیں یا پانچ وقت کی نماز پڑھا کر خود کو اپنے فرائض سے سبکدوش خیال فرماتے ہیں‘ حالانکہ وارثِ علمِ نبوت ہونے کے ناطے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت میں خیر وبھلائی کا حکم کریں اور منکرات کی نکیر کریں۔ دیکھئے حضور نبی کریم ﷺ کس جزم کے ساتھ اور کس وعید کے ساتھ خیر وبھلائی کا حکم ارشاد فرمارہے ہیں:

((..... وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰی یَدِ السَّفِیْہِ وَلَتَاْطِرُنَّہٗ عَلَی الْحَقِّ اَطْرًا ‘ اَوْ لَیَضْرِبَنَّ اللّٰہُ قُلُوْبَ بَعْضِکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ‘ ثُمَّ یَلْعَنَکُمْ کَمَا لَعَنَھُمْ)) (رواہ احمد فی المسند وابوداؤد

فی السنن‘ کتاب الملاحم) (۱)

ایک دوسری حدیث شریف میں یوں ارشاد ہے:

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((لَا تَزَالُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَھَا وَتَرُدُّ عَنْھُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَۃَ مَالَمْ یَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّھَا)) قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! وَمَا الْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّھَا؟ قَالَ: ((یُظْھَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِی اللّٰہِ ‘ فَلَا یُنْکَرُ وَلَا یُغَیَّرُ))

(الترغیب للمنذری) (۲)

موجودہ دور میں پھیلے بے پناہ شر وفساد اور بگاڑ کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے کسی اور کو نہیں آپ علماء کو ہی آگے بڑھنا ہے‘ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے لیے جس تڑپ‘ دل سوزی‘ لگن اور محنت کی ضرورت ہے‘ وہ مفقود ہے۔ آج کا ماحول ہر ہر عالم سے حضرت مجدد الف ثانی‘ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی‘ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی‘ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی‘ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی‘ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی‘ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ جیسے کردار کا تقاضا کرتا ہے۔

آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں‘ آٹھ دس سال لگا کر آپ نے جس مدرسہ یا دارالعلوم میں دینی تعلیم کی تکمیل کی‘ اس کے بعد تو آپ پر خود بخود ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً)) کے مصداق معاشرے کی صلاح واصلاح کی ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے۔ آپ پر لازم ہوجاتا ہے کہ جس دین کو آپ نے آٹھ دس سال لگا کر پڑھا اور سیکھا وہ نہ صرف آپ کے کردار وعمل اور افکار

(۱) ’’.....قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے‘ تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو‘ اور چاہیے کہ بے وقوف نادان کا ہاتھ پکڑو‘ اس کو حق بات پر مجبور کرو‘ ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خلط ملط کردیں گے اور پھر تم پر بھی لعنت ہوگی جیسا کہ پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔‘‘ (راوی: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’ہمیشہ (کلمہ) لا الٰہ الا اللہ اپنے پڑھنے والوں کو نفع دیتا ہے اور ان سے عذاب کو دور کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پروائی نہ برتی جائے‘‘۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اس (کلمہ) کے حق سے بے پروائی کیا ہے؟ فرمایا: ’’اللہ کی نافرمانی کھلے طور پر کی جائے‘ پھر نہ اس کا انکار کیا جائے اور نہ ہی ان کو روکنے یا بدلنے کی کوشش کی جائے۔‘‘

وخیالات سے جھلکے بلکہ اہلیت واستعداد کے مطابق اپنے گھر‘ محلے اور مسجد ومدرسہ کے ماحول میں اس کے بیان وتبیان کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر بہت بڑا فضل فرمایا ہے۔ آپ مدرسہ کے مہتمم ہیں یا استاد! آپ کسی مسجد کے اِمام ہیں یا خطیب!— آپ پر لازم ہے کہ تواصی بالحق کا فریضہ بہرصورت انجام دیتے رہیں‘ منبر ومحراب آپ کے پاس بہت طاقت ور ذریعہ ہے۔ الحمدللہ ہم دین کی تعلیم وتبلیغ اور نشر واشاعت کے لیے سائنسی آلات یا ٹیکنالوجی کے محتاج نہیں۔ دینی تعلیمات میں معمولی غور وفکر سے بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح اسلام کا مقصد معلوم ومتعین ہے اسی طرح حصولِ مقصد کے لیے وسائل واسباب بھی معلوم ومتعین ہیں۔ اسلام ٹیکنالوجی کے سہاروں کی بجائے براہ راست مخاطب کی باطنی وقلبی اور اخلاقی وروحانی تبدیلیوں کا دَاعی ہے۔ یوں بھی بسا اوقات ٹیکنالوجی کے ذریعے دین کی تبلیغ واشاعت کے اثرات نہ صرف محدود ہوتے ہیں بلکہ منفی نتائج بھی دیتے ہیں۔

ہمارے پاس نبی کریم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اور دعوت کے باب میں آپ ﷺ کے مبارک طریقے متوارث چلے آرہے ہیں‘ یقین فرمایئے ان طریقوں کو ان کی روح کے مطابق عمل میں لایا جائے تو دیرپا اثرات کے حامل نظر آئیں گے — اور وہ حسب ذیل ہیں:

☆.....منبر ومحراب کے ذریعے خطبہ وخطابات۔

☆.....انفرادی اور شخصی ملاقاتوں کے ذریعے دینی دعوت‘ دینی تعلیم اور تزکیہ نفس کی کوششیں۔

☆.....مکاتیب (خطوط) کے ذریعے تبلیغ دین کا اہتمام۔

☆.....صُفّہ (یعنی مدرسہ) کے ذریعے اجتماعی تعلیم دین۔

الحمدللہ یہ تمام مسنون طریقے ہماری دسترس میں ہیں‘ مگر فرق یہ پڑ گیا ہے کہ بوجوہ ہم ان طریقوں کو اپنانے سے گریزاں ہیں۔ ہاں! ان طریقوں کو اپنانے کے لیے ﴿لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ﴾ پر یقین واعتماد لازم ہے۔

ہماری آپ سے درخواست ہے کہ موجودہ معاشرتی بگاڑ کو ہلکا خیال نہ فرمائیں‘ چاروں جانب باطل نے اپنے فتنہ وفساد کی آگ دَہکا رکھی ہے۔ اس آگ کو فرو کرنے میں آپ سے جو بن پڑتا ہے کر گزریں‘ یہ موجودہ وآئندہ نسلوں پر آپ کا احسان ہوگا۔ آپ مسجد کے امام ہیں

یا خطیب‘ تو خود کو صرف نماز پڑھانے اور جمعہ کا بیان کرنے تک محدود نہ رکھیں‘ ممکن ہو سکے تو مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کرنے کی سعی فرمائیں:

☆ درس قرآن مجید: روزانہ‘ ورنہ ہفتے میں ایک دن ضرور مقرر کر کے اہل محلّہ کے لیے عمومی درسِ قرآن مجید کا اہتمام فرمائیں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر تیاری بھی کریں۔ کتبِ تفسیر وحدیث سے رجوع کریں۔ البتہ ایک بات کا خیال رکھیں کہ عمومی درسِ قرآن میں صرفی نحوی ترکیبوں اور خالص علمی اسلوب اختیار نہ کریں‘ بلکہ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ پیرایۂ گفتگو اختیار کریں۔ رات کے اخیر پہر ربّ کریم سے اپنی اور اہل محلّہ کی ہدایت کی مخلصانہ دُعائیں آپ کی محنت کو ثمر آور کر دیں گی۔

☆ درس حدیث: پانچ وقت نمازوں میں سے کسی ایک نماز کے بعد کم از کم پانچ منٹ کا درسِ حدیث ضرور دیں۔ اس سلسلے میں کتاب الاخلاق‘ کتاب البر والصلۃ‘ کتاب الرقاق‘ کتاب المعاشرۃ والمعاملات‘ کتاب اشراط الساعۃ کو خاص طور پر مدنظر رکھیں‘ حضرۃ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی ’’معارف الحدیث‘‘ آپ کی بہترین رفیق ہو سکتی ہے۔

☆ فقہی مسائل کا بیان: کسی ایک نماز کے بعد دعا سے قبل نمازیوں کو روزانہ صرف ایک مسئلہ بتانے کا اہتمام فرمائیں‘ ایسے روزمرہ پیش آمدہ مسائل جن میں عوام مبتلا ہوتے ہیں‘ مختصر اور عمومی انداز میں شرعی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیں۔ ((بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا)) کی ہدایت کے ساتھ حکمت ودانائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے الفاظ اور جملوں کے انتخاب میں احتیاط برتی جائے۔ فرقوں یا افراد کے ناموں کے ساتھ تنقید کی بجائے صحیح مسائل کو سامنے رکھا جائے۔

اس بات کا ضرور خیال رکھیے کہ آپ کی مسجد میں پہلے سے جو تعلیمی‘ تبلیغی اور خانقاہی سلسلے جاری ہیں وہ بالکل متاثر نہ ہوں‘ دیگر دینی کاموں میں رفیق وحلیف تو بنیں فریق ہرگز نہ بنیں۔ اگر کوئی شخص یا جماعت آپ کے کام میں مزاحم ہو تو دل گرفتہ نہ ہوں‘ محبت اور شفقت سے سمجھائیں۔ دعوتِ دین کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ آپ کے پیش نظر رہے گا‘ ہمدردی‘ دل سوزی‘ دین حق کے بیان کا جذبہ کارفرما رہے گا تو‘ ان شاءاللہ‘ کامیابی ملے گی۔

☆ جمعہ کا بیان: جمعہ کا بیان بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں گے کہ جمعہ کے دن ہمارے ہاں لوگ عموماً بیان کے آخر میں مسجد پہنچتے ہیں‘ لیکن جہاں کہیں

کوئی خطیب بھرپور تیاری کے ساتھ جمعہ کا بیان کرتا ہے وہاں لوگ ذوق وشوق کے ساتھ آغازِ خطاب میں پہنچنا شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ رویّہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ لوگ بھلائی کی بات سننا چاہتے ہیں‘ فرق صرف اندازِ بیان کا ہے۔ جتنا جاندار اسلوبِ بیان ہوگا‘ از دل خیزد بر دل ریزد کی کیفیت ہوگی اسی قدر لوگوں کی حاضری زیادہ ہوگی۔ جمعہ کے دن لوگوں کی حاضری کو اللہ پاک کی عنایت سمجھئے۔ اس موقع کو سرسری بیان میں ضائع مت کیجیے۔ جمعہ کے بیان کے لیے کوئی موضوع سوچ کر ہفتہ بھر اس کے لیے محنت کیجیے۔ محض فضائل کے بیان پر اکتفا نہ کیجیے‘ بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کیجیے۔ اسلامی اعتقادات‘ اُسوۂ رسول ﷺ اسلامی اخلاق ومعاشرت‘ صحابہ کرامؓ کے مقام ومرتبہ‘ صحابہؓ کے طرزِ معاشرت کا بیان‘ عصرِ حاضر میں پھیلے گمراہ کن جدید فتنوں سے آگاہی‘ خصوصاً جدیدیت کے طوفان سے اُمت کو بچانے کی فکر کریں۔ بدعات ورسوم کی بیخ کنی کے لیے بھی لسانی جدوجہد کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کئی دیندار اور اکابر کے نام لیوا بھی بدعات کا ارتکاب کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کریں۔ احقاقِ حق کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔

ہماری یہ درخواست اپنے تمام مخبتین کے لیے ہے‘ اَلبتہ خصوصیت کے ساتھ ہمیں اپنے تلامذہ سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے کہنہ سال اُستاذ کی عرض کی گئی باتوں کو ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

آخری بات یہ کہ آپ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے توفیق بھی چاہیں کہ وہ پروردگار آپ کو اس مبارک عمل کے لیے منتخب فرمالیں۔ تضرّع‘ زاری‘ تبتّل اور دُعا اس راہ کا بہترین توشہ ہے—— اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو اور اپنی رضا کے مطابق کام لے لے۔

❁❁❁

غیبت کی حرمت وشناعت اور علاج (۳)

جمیل الرحمٰن عباسی ☆

معالجہ غیبت

اصلاحِ نفس کا اہم اصول

اصلاحِ نفس کے ضمن میں نفع بخش لائحہ عمل یہ ہے کہ دینی فرائض کی ادائیگی میں تسلسل کے ساتھ ایک ایک بیماری کو ہدف بنانا چاہیے اور اس بیماری کے علاج کے لیے کچھ وقت معیّن کر لینا چاہیے اور اس وقت میں اس کے علاج کے ذرائع پر بطورِ خاص عمل کرنا چاہیے۔ اس کمزوری پر کسی قدر کامیابی پانے کے بعد' احتساب ومحاسبہ کے ذریعے اپنی نگرانی کی جاتی رہے تاکہ دوبارہ بیماری کا حملہ نہ ہونے پائے اور ساتھ ہی دوسری کمزوری کے علاج کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔

امام غزالیؒ نے ذاتی عیب شناسی کے طریقوں میں ایک یہ طریقہ بھی بتایا ہے کہ اپنے کسی دوست سے کہا جائے کہ آپ جب بھی مجھ میں کوئی عیب دیکھیں تو بتا دیا کریں۔ پس غیبت کے علاج کے ضمن میں ذاتی احتساب کے ساتھ ساتھ اپنے دوست اور اہل خانہ کو بتایا جا سکتا ہے کہ کبھی آپ مجھ سے غیبت کا صدور دیکھیں تو ٹوک دیا کریں۔ اسی طرح سے دینی جماعتوں کے کارکنان کو چاہیے کہ ایک دوسرے کو خود پر نگران بنائیں تا آں کہ انفرادی سطح پر ''تواصی بالحق وتواصی بالصبر'' کی منظر کشی ہو جائے۔ اس ضمن میں اپنے ذمہ داران اور اُمراء سے خصوصی طور پر نگرانی واصلاح طلب کرنی چاہیے۔

کسی بھی روحانی بیماری سے 'توبہ اور اصلاح ومعالجہ' کوئی ویکسین نہیں ہے کہ جس کے بعد

☆ معاون ناظم تعلیم وتربیت تنظیم اسلامی پاکستان

انسان اس گناہ سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے' بلکہ معالجے کے بعد انسان سے بتقاضائے بشریت گناہ کا صدور کسی بھی وقت ممکن ہے۔ البتہ اب اس گناہ کی نوعیت ﴿سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ﴾ (الانعام:۵۴) ''جوشِ جذبات میں کی گئی برائی'' کی ہوگی اور انسان جلد ہی توبہ کر لے گا۔ گویا معالجہ نفس سے گناہوں کا اصرار ختم ہوگا نہ کہ اصدار!!

معالجہ غیبت کے ضمن میں اہم امور

غیبت سے توبہ کے بعد اس بیماری سے مکمل چھٹکارے اور علاج کے سلسلے میں سب سے اہم بنیادی اور فیصلہ کن چیز تو وہ عزمِ مصمم ہے جو ہر گناہ سے توبہ کی شرط ہے۔ اس عزم کے ساتھ ہم کچھ ذرائع کا ذکر کریں گے جو' ان شاء اللہ' اس بیماری سے مکمل شفایابی میں معاون ہوں گے' لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اپنی افادیت کے باوجود ان ذرائع کی اہمیت انسان کے غیبت نہ کرنے کے ارادے کے سامنے ثانوی ہے۔ لہٰذا اصل توجہ اپنی توبہ کی سچائی اور اصلاحِ احوال کے عزم پر رہنی چاہیے کہ خدانخواستہ اس میں کچھ کمی رہی تو ہزاروں طریقے بھی نفع بخش نہ ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے عزم کی مضبوطی پر انحصار کرتے ہوئے ان طریقوں کے استعمال سے باز رہنا بھی ایک قسم کی محرومی ہے' کیونکہ یہ عزم کی مضبوطی کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں۔

پس بیان کردہ لائحہ عمل کے مطابق غیبت سے توبہ کے بعد کچھ عرصہ اس کے علاج کے لیے مخصوص کر لینا چاہیے۔ اس عرصے میں مندرجہ ذیل امور کا اہتمام خصوصیت سے کرنا چاہیے اور اس عرصہ کے بعد ان امور کو عمومی طور پر جاری رکھنا چاہیے:

☆ غیبت کی حرمت ومذمت' نقصانات اور سزا کے بیان کو بار بار پڑھتے رہنا چاہیے اور ان نقصانات اور سزاؤں کو اپنے تخیل میں اس خیال کے تحت لاتے رہنا چاہیے کہ مجھے یہ سزا ملے تو کتنا برا ہو۔

☆ بعض اوقات غیبت کے سرزد ہونے کا سبب کسی سے حسد یا کینہ ہوتا ہے' لہٰذا عمومی طور پر تمام ہی رشتہ داروں' دوستوں اور بالخصوص ان لوگوں کے لیے اکثر دعائے خیر کرتے رہنا چاہیے جن کی غیبت انسان سے سرزد ہو جائے۔ اس سے ایک تو ازالۂ حسد وکینہ ہوگا اور دوسری طرف یہ دُعا غیبت کا کفّارہ بھی بن جائے گی۔

☆ جب کسی کی غیبت سرزد ہو جائے تو اس سے واضح الفاظ میں معافی طلب کی جائے‘ کیونکہ ایک طرف تو یہ گناہ سے معافی کے لیے ضروری ہے اور دوسری طرف اس سے نفس کو شرمندگی اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور آئندہ نفس بآسانی غیبت پر آمادہ نہیں ہوگا۔ یہ بہت ہی مجرب نسخہ ہے اور نبی اکرم ﷺ اس کا کافی اہتمام کروایا کرتے تھے۔

☆ جن لوگوں کے سامنے غیبت کی ہے ان کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا جائے اور جس کی غیبت کی تھی اس کی تعریف وتوصیف کی جائے۔ یہ طریقہ بھی اصلاحِ نفس اور کفارۂ غیبت دونوں کا جامع ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرزِ عمل معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بعض اوقات کسی آیت کو بار بار دہراتے رہتے تھے۔ قرآن پاک کی سمجھ اور تاثیر میں اضافے کے لیے یہ طریقہ بہت ہی فائدہ مند ہے۔ اس طریقہ کو مختلف برائیوں سے نجات پانے کے لیے آزمایا گیا تو بہت مفید پایا گیا۔ (۷۰) غیبت کی اصلاح کے لیے بھی یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اوّل تو متعلقہ آیات کا اچھی طرح فہم حاصل کرنا چاہیے‘ جو کسی بھی تفسیر کے مطالعے یا درس کی سماعت سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پھر ان میں سے ایک یا چند آیات منتخب کر کے ان کا وِرد جاری رکھا جائے۔

غیبت کے خلاف نفرت پیدا کی جائے

غیبت سے انسانی نفس کو ایک خاص قسم کی راحت حاصل ہوتی ہے اور انسان آسانی سے اس میں ملوث ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس سے مکمل نجات کے لیے صرف شعوری ارادہ اور عقلی طور پر اس کے نقصانات کا علم کافی نہیں ہے‘ بلکہ لاشعور اور جبلت کی سطح پر غیبت کے خلاف نفرت بھی درکار ہے‘ جیسا کہ احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھیوں کو غیبت سے نفرت دلایا کرتے تھے اور یہ نفرت کئی طریقوں سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

انسانی گوشت کھانے کا تصور: جو انسان غیبت چھوڑنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ کچھ دیر کسی جان پہچان والے انسان کی لاش کو دھیان میں لائے اور چشم تصور سے دیکھے کہ میں اس کا گوشت نوچ کر کھا رہا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی سوچا جائے کہ غیبت دراصل اپنے بھائی کا گوشت کھانا ہی ہے۔ اس ضمن میں مضمون کے شروع والے حصے میں بیان کردہ واقعات کو بار بار

پڑھنا مفید ہوگا۔

قابل نفرت اشیاء سے غیبت کی مماثلت قائم کرنا: غیبت سے نفرت پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان قابل نفرت چیزوں کو دیکھ کر غیبت کو انہی کی طرح گھناؤنا سمجھے اور خود سے کہے کہ غیبت کرنے سے تو ان چیزوں کو کھا لینا بہتر ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

عذابِ قبر کا تصور: غیبت کے سبب ملنے والے عذابِ قبر کا تصور کیا جائے اور بالخصوص اس بات پر غور کیا جائے کہ میری قبر کی زندگی سینکڑوں اور ہزاروں سال طویل بھی ہو سکتی ہے۔

حبطِ اعمال کی سزا کا تصور: غیبت کا ایک نقصان اعمال کا ضائع ہو جانا بھی ہے۔ لہٰذا انسان اپنی محنت سے کی ہوئی نیکیوں کو یاد کرے اور ان کے بارے میں سوچے کہ غیبت کے سبب یہ محنت سے کمائی ہوئی نیکیاں اکارت چلی جائیں گی۔

آخرت کی سزا کا تصور: غیبت کی پاداش میں ملنے والی سزائے دوزخ کو تصور میں لایا جائے اور پھر یہ بھی سوچا جائے کہ اگر غیبت کی پاداش میں آخرت میں بطورِ سزا اپنے مردہ بھائی کے گوشت کو میری خوراک بنا دیا جائے تو یہ کیسی خوفناک سزا ہوگی‘ جیسا کہ بعض احادیث سے اس کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

جرمانہ وسزا

اپنے آپ پر غیبت کے ضمن میں کچھ مالی جرمانہ عائد کر دیا جائے اور ہر دفعہ غیبت کا گناہ سرزد ہونے پر وہ رقم صدقہ کی جائے۔ زمانہ سکول میں ہمارے استاد سید اقبال حسین شاہ صاحب نے ہمیں نمازی بننے اور روزانہ صبح سورۂ یٰسٓ پڑھنے کا ایک طریقہ یہ سکھایا تھا کہ جس دن فجر کی نماز اور سورۂ یٰسٓ رہ جائے اُس دن کا ناشتا بھی چھوڑ دیا کرو۔ اُس دور کے طالب علم ''پرکاری وہشیاری'' سے محروم تھے‘ چنانچہ بعض دفعہ اس عمل کی توفیق ہوئی تو پتا چلا کہ انتہائی کارگر طریقہ ہے۔ چنانچہ غیبت کی سزا ایک وقت کے کھانے کا ناغہ بھی خوب ہے۔

سماعتِ غیبت سے اجتناب

انسان غیبت کے مرض سے اُس وقت تک بچ نہیں سکتا جب تک وہ غیبت نہ سننے کا تہیہ نہ کر لے‘ اور حقیقت یہ ہے کہ غیبت کرنے کی طرح اس کا سننا بھی گناہ اور حرام ہے۔ امام نوویؒ

نے 'ریاض الصالحین' میں ایک باب یوں باندھا ہے: باب تحریم سماع الغیبة ''غیبت سننے کی حرمت کا بیان''۔ حضرت امام اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ غیبت کی سماعت حرام ہے۔ اس کے لیے انہوں نے یہ آیت بھی پیش کی ہے:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝۳۶﴾ (الاسراء)

''بے شک سماعت و بصارت اور دل و دماغ سب کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں اپنی سماعت کا بھی حساب دینا ہوگا۔ چنانچہ اس صلاحیت کو کسی بھی طرح اللہ کی نافرمانی میں صرف ہونے سے بچانا چاہیے۔ ایک خاتون نے نبی اکرم ﷺ سے نصیحت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِيَّاكِ وَمَايَسُوءُ الْاُذُنَ)) (۷۱)

''کان کو خراب کرنے والی چیزوں سے بچو!''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَلْقَائِلُ الْفَاحِشَةَ وَالَّذِی يَسْمَعُ فِی الْاِثْمِ سَوَاءٌ))

''فحش گوئی کرنے والا اور اس کو سننے والا گناہ میں برابر ہیں۔''

امام طبرانیؒ نے 'معجم کبیر' میں درج ذیل روایت نقل کی ہے:

((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْغِيْبَةِ وَعَنِ الْاِسْتِمَاعِ اِلَى الْغِيْبَةِ))

''رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا غیبت کرنے اور غیبت سننے سے۔''

اگرچہ محدثین کی تصریحات کے مطابق یہ روایت ضعیف ہے لیکن بیان کردہ مضمون دین کی دوسری عمومی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ اصول ثابت شدہ ہے کہ وہ اعمال جو فریقین کی شمولیت ہی سے انجام پاتے ہیں ان کے اجر و وزر سے دونوں فریقین کو حصہ ملتا ہے۔ پس جس طرح گانا گانے کی طرح اس کا سننا بھی حرام ہے اسی طرح غیبت کرنے کی طرح اس کی سماعت اور اس میں حصہ لینا بھی حرام ہے۔

عمرو بن عتبہؒ کہتے ہیں کہ میرے والد عتبہ بن ابی سفیانؒ (تابعی' م:۴۴ھ) میرے پاس آئے جبکہ دو آدمی غیبت میں مصروف تھے۔ یہ دیکھ کر مجھ سے کہنے لگے: ''تیری ہلاکت ہو' اپنی سماعت کو بری باتیں سننے سے اسی طرح بچاؤ جیسے بری باتیں کرنے سے بچتے ہو' کیونکہ سننے والا

بولنے والے کے گناہ میں شریک ہوتا ہے۔'' (تاریخ دمشق لابن عساکر)

'محفلِ غیبت' میں مطلوب طرزِ عمل

بعض اوقات انسان کسی محفل میں موجود ہوتا ہے اور وہاں غیبت شروع ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی یہ مرفوع حدیث ہماری رہنمائی کرتی ہے:

((اِذَا وُقِعَ فِی الرَّجُلِ وَاَنْتَ فِی مَلَاٍ فَكُنْ لِلرَّجُلِ نَاصِرًا وَلِلْقَوْمِ زَاجِرًا، اَوْ قُمْ عَنْهُمْ)) (۷۲)

''جب کسی شخص کی غیبت کی جائے اور تم اس محفل میں موجود ہو تو تمہیں چاہیے کہ اس شخص کی مدد کرو اور غیبت کرنے والوں کو تنبیہ کرو' یا پھر ان کی محفل سے اٹھ جاؤ!''

پہلا کام: مندرجہ بالا حدیث میں پہلی بات غیبت کا نشانہ بننے والے کی مدد ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اس کا دفاع کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس معاملے میں غیبت کی جا رہی ہو اُس کے متعلق کوئی عذر پیش کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً ہو سکتا ہے اسے اس بات کا علم نہ ہو' یا لگتا نہیں وہ ایسا کام کرے گا' وغیرہ' یا اس کی کسی دوسری خوبی کا ذکر کر دے اور اس کی تعریف کر دے۔ یاد رہے کہ کسی مسلمان کی غیر موجودگی میں اس کی طرف سے دفاع کرنا بہت اجر کا باعث ہے' جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں بشارت دی ہے:

((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۷۳)

''جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے والی کسی چیز کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس کے چہرے سے آگ کو دور کر دے گا۔''

دوسری روایت میں غیبت کی صراحت کی گئی ہے:

((مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيهِ بِالْغِيبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ)) (۷۴)

''جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے گوشت پر سے غیبت کی مکھیاں اُڑائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے لازماً آگ سے بچائے گا۔''

ذیل کی دو مثالوں میں اس کا عملی مظاہرہ دیکھا جا سکتا ہے:

☆ سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؐ میرے

گھر تشریف لا کر نماز پڑھ دیں' تا کہ میں اس جگہ کو مصلیٰ بنا لوں۔ جب آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے تو آس پاس کے کچھ اور لوگ بھی حاضر ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ نظر نہیں آ رہے؟ تو کسی نے کہہ دیا وہ تو منافق ہے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تو وہ محبت ہی نہیں رکھتا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُلْ ذٰلِكَ، اَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يُرِيدُ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ))(۷۵)

''ایسا مت کہو! کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے اور اس اقرار سے اس کے پیش نظر اللہ کی رضا ہے۔''

☆ نبی اکرم ﷺ جب تبوک پہنچے تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا تو ایک شخص نے کہا: اسے تو اس کی دو چادروں اور ان کی کناریوں کو دیکھتے رہنے (یعنی مال و دولت پر عجب وتکبر) نے روک دیا ہے۔ اس پر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو ٹوکا کہ تو نے بہت بری بات کہی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہم تو کعب میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ (۷۶)

دوسرا کام: دوسری بات یہ ہے کہ غیبت کرنے والوں کو تنبیہ کی جائے' جو براہ راست بھی کی جا سکتی ہے' یعنی واشگاف الفاظ میں کہا جائے کہ آپ کا یہ طرز عمل غیبت پر مبنی ہے' لہٰذا اس سے اجتناب کر لینا چاہیے۔ یہ نہی عن المنکر کی ایک صورت ہے۔ حضرت علی بن حسینؒ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دوسرے کی غیبت کر رہا ہے تو انہوں نے اس سے کہا:

اِيَّاكَ وَالْغِيبَةَ ، فَاِنَّهَا اِدَامُ كِلَابِ النَّاسِ (۷۷)

''غیبت کرنے سے بچو' کہ وہ تو لوگوں کے کتوں کا سالن ہے۔''

قتیبہ بن مسلمؒ نے ایک آدمی کو دوسرے کی غیبت کرتے سنا تو فرمایا: ''تم ایک ایسی بوٹی چبا رہے ہو جو کیڑے کھایا کرتے ہیں۔'' (۷۸)

مُهَلَّب بن ابی صَفَرہؒ (تابعی) نے ایک آدمی کو غیبت کرتے پایا تو کہنے لگے: ''رُک جاؤ' خدا کی قسم' تمہارا منہ اس کی غیبت کرنے کے بعد پاک نہ رہ سکے گا۔'' (۷۹)

محمد بن کعب القُرَظِیؒ (تابعی' م:۱۰۸ھ) فرماتے ہیں: ''جب تمہارے سامنے کوئی کسی

کی غیبت کرے تو اسے کہا کرو کہ اللہ سے ڈرو اور غیبت مت کرو۔'' (۸۰)

سہل بن عبداللہ التُستریؒ (م:۲۸۳ھ) فرماتے ہیں: ''صِدّیقین کے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ وہ نہ تو لوگوں کی غیبت کرنے والے ہوں اور نہ ان کے سامنے کسی کی غیبت کی جائے۔'' (۸۱)

مشہور شافعی فقیہ امام ابوسعد المروزیؒ (م:۵۲۶ھ) کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی مجلس میں کسی کو کسی کی غیبت نہیں کرنے دیتے تھے۔ (۸۲)

حضرت سعید بن جبیرؒ (تابعی' م:۹۵ھ) کسی کو اپنے پاس غیبت نہیں کرنے دیتے تھے اور کہتے تھے: اگر تم یہ بات کرنا ہی چاہتے ہو تو جا کر اس کے منہ پر کرو۔ (۸۳)

حافظ ابوالبرکات عبدالوہاب بن المبارک الانماطیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ نہ تو کسی کی غیبت کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو اپنے پاس غیبت کرنے دیتے تھے۔ (۸۴)

اگر اس طرح واشگاف الفاظ میں ٹوکنے کی ہمت نہ ہو تو پھر کسی اشارے کنائے یا تمثیل و مثال کے ذریعے سے بھی بات کی جا سکتی ہے۔ ایک بار حضرت ابراہیم اَدھمؒ (م:۱۶۱ھ) نے بعض دوستوں کو کھانے پر بلایا۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے دسترخوان پر وہ لوگ کسی کی غیبت کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا: ''پرانے لوگ پہلے روٹی کھایا کرتے تھے' گوشت بعد میں کھایا کرتے تھے' لیکن آج کل کے لوگ گوشت ہی سے کھانا شروع کرتے ہیں۔'' (۸۵)

تیسرا کام: تیسرا کام اس محفل سے علیحدگی اختیار کرنا ہے' اور یہ اس صورت میں ہے جب انسان غیبت کرنے والوں کو روکنے پر قادر نہ ہو یا وہ اس کے روکنے پر اس جرم سے باز نہ آتے ہوں یا انسان کو خود غیبت میں ملوث ہو جانے کا خطرہ محسوس ہونے لگے۔

امام ابن ابی الدنیاؒ نے میمون بن سیاہ تابعیؒ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ:

''میمون بن سیاہ نہ تو غیبت کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو اپنے سامنے غیبت کرنے دیتے تھے بلکہ اسے منع فرمایا کرتے تھے۔ اگر وہ باز آ گیا تو ٹھیک' ورنہ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے جایا کرتے تھے۔'' (۸۶)

عبداللہ بن زکریا الدمشقیؒ کسی کو اپنی مجلس میں غیبت نہ کرنے دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم اللہ کا ذکر کرتے ہو تو ٹھیک ہے' اور اگر تم لوگوں کی باتیں کرو گے تو ہم تمہیں

چھوڑ دیں گے۔ (۸۷)

دوسروں کی غلطیوں کی کھوج میں نہ پڑنا

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ غیبت سے تجسّس پیدا ہوتا ہے‘ بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ غیبت ہوتی بھی تجسس ہی کے زیر اثر ہے‘ لہٰذا غیبت سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کی غلطیوں کی کھوج میں پڑنے سے اجتناب کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غیبت سے روکتے ہوئے دوسروں کی غلطیوں کی کھوج کرید میں پڑنے سے روکا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((یَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِہٖ وَلَمْ یَدْخُلِ الْاِیمَانُ قَلْبَہٗ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِینَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِھِمْ، فَاِنَّہٗ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِھِمْ یَتَّبِعُ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ، وَمَنْ یَتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحْہُ فِی بَیْتِہٖ)) (۸۸)

’’اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا‘ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو اور نہ مسلمانوں کے چھپے رازوں کے پیچھے پڑو۔ پس یہ جان لو کہ جو مسلمانوں کے چھپے رازوں کے پیچھے پڑے گا اللہ اُس کے چھپے رازوں کے پیچھے پڑ جائے گا‘ اور جس کے رازوں کے پیچھے اللہ پڑ جائے اس کو اُس کے گھر میں رسوا کر دے گا۔‘‘

انسان خود کو یہ دھوکا دیتا ہے کہ میں جو دوسروں کی غلطیوں کے پیچھے پڑتا ہوں تو اصل میں میں اصلاح کرنا چاہتا ہوں‘ کیونکہ جب تک دوسرے کی غلطی علم میں نہیں آئے گی تو اصلاح کیسے ہوگی؟ لیکن یہ ایک مغالطہ ہے۔ اس طرزِ عمل سے کبھی بھی اصلاح نہیں ہو سکتی‘ بلکہ اس طرزِ عمل سے لوگ مزید دور ہی جائیں گے‘ کیونکہ جو آدمی اپنی غلطی کو چھپا رہا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ اس غلطی کو غلطی مانتے ہوئے اس پر شرمندہ ہے۔ اب اگر اس کی غلطی کو کھول کر بیان کر دیا جائے تو کیا معلوم وہ غلطی کو چھوڑ تو نہ سکے بلکہ الٹا سرعام کرنا شروع کر دے‘ جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ذیل میں معلوم ہو چکا۔ لہٰذا اصلاح کے عمل کو لوگوں کی انہی برائیوں تک محدود رکھنا چاہیے جو لوگ از خود ظاہر کریں۔ انسان کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ دوسروں کی غلطیوں پر نظر رکھنے کے بجائے اپنی غلطیوں پر توجہ کرے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے:

((لَا تَنْظُرُوْا فِی ذُنُوْبِ الْعِبَادِ کَاَنَّکُمْ اَرْبَابٌ، وَانْظُرُوا فِی ذُنُوْبِکُمْ

کَاَنَّکُمْ عَبِیْدٌ)) (۸۹)

’’لوگوں کے گناہوں پر نظر نہ رکھا کرو گویا کہ تم خدا ہو‘ بلکہ اپنے گناہوں میں نظر کیا کرو‘ جیسے کہ تم بندے اور غلام ہو۔‘‘

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہنا چاہیے:

((اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَذْکُرَ عُیُوْبَ صَاحِبِکَ فَاذْکُرْ عُیُوْبَکَ)) (۹۰)

’’جب تیری خواہش ہو کہ تو لوگوں کے عیوب کا تذکرہ کرے تو اپنے عیوب یاد کیا کر۔‘‘

لیکن انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اپنی بڑی بڑی غلطیوں کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے‘ لیکن دوسروں کی چھوٹی غلطیاں بھی اسے پہاڑ کی طرح نظر آتی ہیں‘ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((یُبْصِرُ اَحَدُکُمُ الْقَذَاۃَ فِی عَیْنِ اَخِیْہِ، وَیَنْسَی الْجِذْعَ فِی عَیْنِہٖ)) (۹۱)

’’تم اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا بھی دیکھتے ہو اور اپنی آنکھ کے شہتیر کو بھول جاتے ہو!‘‘

بدگمانی سے بچنا

غیبت سے بچنے کے لیے سوئے ظن سے بچنا ضروری ہے۔ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں: ’’جو شخص غیبت سے بچنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ لوگوں کے بارے میں بدگمانی سے بچے‘ کیونکہ جو شخص بدگمانی سے بچ گیا وہ تجسّس سے بچ جائے گا اور جو تجسّس سے بچ جائے گا وہ غیبت سے بچ جائے گا۔ پس جو غیبت سے محفوظ رہا وہ جھوٹ سے محفوظ رہے گا اور جو جھوٹ سے محفوظ رہا وہ بہتان سے بچ جائے گا۔‘‘ (۹۲)

حفظِ لسان

غیبت کا مرض ابتدائی طور پر زبان کے استعمال میں بے احتیاطی سے لاحق ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ انسان اس کا مکمل مریض بن جاتا ہے۔ لہٰذا غیبت سے بچنے اور اسے ترک کرنے‘ دونوں کے لیے زبان کے استعمال میں محتاط ہونا لازم ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے زبان کی احتیاط کے متعلق کثیر تعداد میں ارشادات فرمائے ہیں‘ انہیں یاد رکھنا چاہیے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا: ’’اس کو روک رکھو!‘‘ میں نے عرض کیا: ’’اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں اس پر بھی ہمارا مواخذہ ہوگا؟‘‘ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ، وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ))(۹۳)

''تجھے تیری ماں روئے' زبان کی کھیتیوں کے علاوہ کون سی چیز لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائے گی!''

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! نجات کس میں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ))(۹۴)

''اپنی زبان کو روکے رکھو' اور تمہارا گھر تمہیں کافی ہو جائے' اور اپنی غلطیوں پر رویا کرو!''

اس روایت میں غیبت کا مکمل علاج موجود ہے۔ یعنی غیر ضروری محفلوں سے احتراز کرتے ہوئے (اچھی محفل یا) گھر تک محدود رہنا' اپنی زبان کو روکے رکھنا' اور بجائے دوسروں کی غلطیوں پر نظر کرنے کے اپنی غلطیوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے رہنا۔

مندرجہ بالا تمام روایات کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کے استعمال میں احتیاط اختیار کرے اور زیادہ بولنے کے بجائے زیادہ خاموش رہنے کی عادت ڈالے۔ حفاظتِ زبان کے ضمن میں امام نوویؒ کے الفاظ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

اعلم انه ينبغي لكل مكلف ان يحفظ لسانه عن جميع الكلام اِلا كلامًا ظهرت فيه المصلحة، ومتى استوى الكلام وتركه في المصلحة فالسُّنّة الاِمساك عنه، لانه قد ينجر الكلام المباح اِلى حرام او مكروه، وذلك كثير في العادة، والسّلامة لا يعدلها شيء(۹۵)

''ہر مکلّف (عاقل بالغ مسلمان) کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کی گفتگو سے زبان کی حفاظت کرے' سوائے اُس کلام کے جس میں کوئی مصلحت ہو۔ جب گفتگو مباح ہو یعنی نہ تو گناہ کی بات ہو اور نہ ثواب کی تو اس سے رکے رہنا ہی سنت ہے' کیونکہ مباح گفتگو بھی بسا اوقات مکروہ یا حرام گفتگو تک پہنچا دیتی ہے' اور یہ بکثرت دیکھنے میں آتا ہے' اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔''

پس غیبت کے علاج کی نیت سے کچھ عرصہ بہت کم گفتگو کرنی چاہیے۔ البتہ بعد میں کثرتِ کلام سے اجتناب کرتے ہوئے مباح گفتگو کو جاری رکھنا چاہیے۔

کثرتِ کلام کے بجائے کثرتِ ذکر

کثرتِ کلام سے بچنے کا بہترین ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ امام ابن قیمؒ نے ذکر کے فوائد میں ایک فائدہ یہ بھی قرار دیا ہے کہ ذکر زبان کو جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے بچاتا ہے۔ اس بات کا اشارہ مندرجہ ذیل حدیث سے ملتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَسْوَةُ الْقَلْبِ، وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي))(۹۶)

''ذکر کے علاوہ زیادہ گفتگو نہ کیا کرو' کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ کثرتِ کلام دل کی سختی کا باعث ہے' اور لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ دور سخت دل والے ہوتے ہیں۔''

اس حدیث کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ زیادہ بولنے کے بجائے اللہ کا ذکر کیا کرو۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب گفتگو کرنا پڑے تو اس گفتگو کے دوران بھی اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے ذکر پر مشتمل کلمات مثلاً سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے' اور دوسرے یہ کی دورانِ گفتگو وقفوں کے دوران اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ جیسے کلمات شعوری طور پر ادا کیے جاتے رہیں' جیسا کہ ہم نے اپنے کئی اساتذہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اس ضمن میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی یاد رہنا چاہیے:

عَلَيْكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ شِفَاءٌ، وَاِيَّاكُمْ وَذِكْرَ النَّاسِ فَاِنَّهُ دَاءٌ(۹۷)

''تم پر اللہ کا ذکر لازم ہے کیونکہ وہ شفا ہے' اور لوگوں کے ذکر سے پرہیز کرو کیونکہ وہ بیماری ہے۔''

لہٰذا انسان کو زیادہ باتیں کرنے کے بجائے حتی الامکان اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے اور لوگوں کی باتیں اور بالخصوص غیر حاضر لوگوں کو موضوعِ کلام بنانے سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے قارئین کو غیبت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حرمتِ غیبت کے حکم سے استثناء کی چند صورتیں

اگرچہ غیبت ایک ممنوع اور حرام کام ہے' البتہ بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں غیبت کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ غیبت کے جواز کا اصول مختلف فقہاء نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔

امام نوویؒ نے یہ اصول ریاض الصالحین میں ''باب مَا یُباح من الغیبة'' کے ذیل میں یوں نقل کیا ہے:

اِنَّ الغِیبَةَ تُبَاحُ لِغَرَضٍ صَحیحٍ شَرْعِیٍّ لا یُمْکِنُ الوُصُوْلُ اِلَیْهِ اِلاَّ بِهَا

''غیبت اس صورت میں مباح ہو جاتی ہے جبکہ شرعاً صحیح غرض کے لیے اس کی ضرورت ہو اور وہ غرض اس کے بغیر پوری نہ ہو سکے۔''

علماء نے ایسی چھ صورتیں بتائی ہیں کہ جن میں اگرچہ کسی کی برائی اس کی عدم موجودگی میں زیر بحث ہوتی ہے' لیکن اس کے باوجود یہ غیبتِ محرمہ نہیں کہلاتی۔ یہ صورتیں اس جملے میں جمع کر دی گئی ہیں:

القدح لیس بغیبةٍ فی سِتّةٍ: متظلمٍ ومعرِّفٍ ومحذرٍ ومجاهرٍ فسقًا ومُستَفتٍ ومَن طلب الاِعانة فی اِزالة منکر

(شرح صحیح البخاری لابی اِسحاق الحوینی)

''چھ اشخاص کسی کا عیب بیان کریں تو یہ غیبت نہیں کہلائے گی: ظلم کی شکایت لگانے والا' کسی کی پہچان کی غرض سے عیب بیان کرنے والا' دوسرے کو خبردار کرنے والا' اعلانیہ گناہ کرنے والے کے اسی گناہ کا ذکر کرنے والا' فتویٰ طلب کرنے والا' اور وہ جو کسی منکر کے خاتمے کے لیے کسی سے مدد طلب کرے۔''

اکثر محدثین و مفسرین نے اس اصول سے ماخوذ وہ صورتیں نقل کی ہیں جن میں کسی کا عیب اس کی عدم موجودگی میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ امام نوویؒ نے 'ریاض الصالحین' میں مندرجہ ذیل صورتیں نقل کی ہیں:

☆ کسی ظالم کے ظلم کے خلاف عدالت' جرگہ یا افسر مجاز کے سامنے شکایت لگانا۔

☆ کسی برائی کو روکنے میں حصولِ مدد کے لیے صاحب اختیار کے سامنے کسی کی برائی کا ذکر کرنا۔ (اسی میں کسی کی اصلاح کی نیت سے اس کے عیب کا ذکر کرنا بھی شامل ہے۔)

☆ فتویٰ طلب کرنے کی لیے کسی کی غلطی کا ذکر کرنا' جیسے یہ کہنا کہ میرے ساتھ فلاں نے ایسا کیا تو اس کے اس فعل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یا میرا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ البتہ نام چھپانا اور مجہول شخص کے حوالے سے فتویٰ حاصل کرنا افضل ہے۔

☆ حدیث کی صحت جاننے کے لیے کسی راوی کی خامی کا ذکر کرنا' اور یہ صورت واجب ہے۔

☆ کسی ظالم کے شر سے بچنے کے لیے اس شخص کے سامنے ذکر کرنا جس کے نقصان کا اندیشہ ہو۔

☆ شادی' ملازمت' کاروبار یا دیگر معاملات میں اگر کسی شخص کے بارے میں مشورہ مانگا جائے تو اُس کی کسی خامی کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کسی فاسق استاد یا شیخ کی گمراہی کا ذکر ایسے شخص کے سامنے کرنا جس کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو' بشرطیکہ اس استاد یا شیخ کے حسد میں نہ کیا جائے' اور اس میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔

☆ کسی اجتماعی منصب پر فائز ایسے شخص کی خامی کا ذکر اس کے نظم بالا کے سامنے بغرضِ اصلاح کرنا جو اس منصب کے تقاضے نہ ادا کر رہا ہو۔

☆ کسی شخص کی ایسی برائی کا ذکر کر دینا جو وہ اعلانیہ کرتا ہو' اور اس صورت میں صرف اسی عیب تک ذکر محدود رکھا جائے گا۔

☆ جو لوگ کسی برے لقب سے مشہور ہو کر اسی نام سے پہچانے جاتے ہوں ان کا ذکر اس نام سے کرنا' بشرطیکہ توہین کرنا مقصود نہ ہو۔

ایک اہم تنبیہ

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں غیبت کا جواز نکلتا ہے' لیکن ان ناگزیر صورتوں میں اتنی ہی غیبت کی گنجائش نکلتی ہے کہ جس سے یہ شرعی ضرورت پوری ہو سکے۔ امام رازیؒ قرآن کریم میں غیبت کے لیے وارد شدہ تشبیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وفیه معنی: وهو ان الاغتیاب کأکل لحم الآدمی میتًا، ولا یحل أکله اِلا للمضطر بقدر الحاجة، والمضطر اِذا وجد لحم الشاة المیتة ولحم الآدمی المیت فلا یاکل لحم الآدمی، فکذلك المغتاب ان وجد لحاجته مدفعًا غیر الغیبة فلا یباح له الاغتیاب

''اس تشبیہ میں خاص معنی ہیں' اور وہ یہ کہ غیبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردہ آدمی کا گوشت کہ جس کا کھانا صرف اضطراری حالت میں بھی بقدرِ ضرورت ہی جائز ہے' اور مضطر انسان کے سامنے جب مردہ بکری اور مردہ انسان دونوں کا گوشت موجود ہو تو وہ مردہ انسان کا گوشت کبھی نہ کھائے گا۔ یہی مثال ہے غیبت کرنے والے کی کہ جب اس کی (شرعی)

حاجت غیبت کے بغیر پوری ہو رہی ہو تو اس کے لیے غیبت کرنا جائز نہیں ہے۔''

جوازِ غیبت میں نیت کی اہمیت

غیبت کے جائز ہونے کی مندرجہ بالا صورتوں میں اصل انحصار نیت پر ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

وَهٰذَا كُلُّهُ يَجِبُ اَنْ يَكُونَ عَلٰى وَجْهِ النُّصْحِ وَابْتِغَاءِ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا لِهَوَى الشَّخْصِ مَعَ الْاِنْسَانِ، مِثْلَ اَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا عَدَاوَةٌ دُنْيَوِيَّةٌ اَوْ تَحَاسُدٌ اَوْ تَبَاغُضٌ اَوْ تَنَازُعٌ عَلَى الرِّئَاسَةِ فَيَتَكَلَّمُ بِمَسَاوِئِهِ مُظْهِرًا لِلنُّصْحِ وَقَصْدُهُ فِي الْبَاطِنِ الْغَضُّ مِنَ الشَّخْصِ وَاسْتِيفَاؤُهُ مِنْهُ، فَهٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ وَ ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى)) (۹۸)

''ان تمام صورتوں میں لازم ہے کہ یہ عیب جوئی نصح و خیر خواہی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے جذبے کے تحت کی جائے' نہ کہ ہوائے نفس کی پیروی میں۔ مثلاً اگر دو اشخاص میں باہم دنیاوی عداوت یا حسد و بغض یا ریاست و سیادت کا تنازع ہے اور اس بنیاد پر ایک شخص دوسرے کا ذکر کرے تو چاہے ظاہر میں خیر خواہی ہی کیوں نہ ظاہر کرے جبکہ باطن میں اس کو ذلیل کرنا اور اس کا مرتبہ گھٹانا مطلوب ہو تو یہ شیطانی کام ہے' کیونکہ (حدیث ہے کہ) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔''

امتحانِ نفس

ہمارے استاذ جناب رشید ارشد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کسی کے عیب کا اس کی پیٹھ پیچھے ذکر کرتے ہوئے اپنا جائزہ لیا کرو۔ اگر اس تذکرے میں نفس مزے لے رہا ہے تو یہ غیبت حرام ہے' لیکن اگر کراہت و مجبوری اور کسی قدر دکھ کے ساتھ کسی کے عیب کا بیان ہو رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ غیبتِ محرمہ نہیں اضطراری ہے' جو کسی جائز مقصد کے لیے ناگزیر ہو گئی ہے۔

ظالم حکمرانوں اور گمراہ کن سیاست دانوں کی غیبت

مندرجہ بالا قواعد کی رو سے ظالم حکمرانوں' فاسق اور گمراہ سیاستدانوں اور لیڈروں' عوامی اور سرکاری وسائل لوٹنے والوں کی ایسی عیب جوئی جو اسلام کے دفاع یا لوگوں کو باطل

نظام کے خلاف آمادۂ پیکار کرنے کے لیے ناگزیر ہو' جائز ہے۔ لیکن اس میں خیال رہنا چاہیے کہ واقعی ہماری غیبت کسی جائز شرعی مصلحت کے لیے ہے اور اس میں ہمارا نفس مزے تو نہیں لے رہا۔ اور اگر اندازہ ہو کہ اس غیبت میں نفس کی خوشی شامل ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ غیبت ناجائز ہے۔ اگر جائز غیبت بھی ہے تو اتنی ہی کرنے کی اجازت ہے جو حصولِ مصلحت کے لیے ناگزیر ہو' اور اس صورت میں وہی برائیاں بیان کرنا جائز ہو گا کہ جن کا بیان مقصدِ صحیح کو حاصل کرنے میں معاون ہو۔ اس چھوٹ کی آڑ میں حکمرانوں کا خواہ مخواہ کا کچا چٹھا بیان کرنا' ان کے ذاتی اور خاندانی حالات کو زیر بحث لانا بلکہ اس کو ایک دل پسند مشغلہ بنا لینا' غیبت ہی کی ایک صورت ہے جس کا حساب بہر حال اللہ تعالیٰ لے لے گا۔

ابوعوفؒ روایت کرتے ہیں کہ میں محمد بن سیرینؒ کے پاس آیا اور ان سے حجاج بن یوسف کی غیبت کرنے لگا جبکہ حجاج ایک ظالم حکمران تھا۔ تب ابن سیرینؒ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوعوف! اللہ تعالیٰ عدل کرنے والا حکمران ہے' وہ جس طرح حجاج سے اس کے مظالم کے بارے میں حساب لے گا اسی طرح اس کی غیبت کرنے والوں سے اس کی غیبت کا حساب بھی لے گا۔ اور جب تو اللہ سے ملے گا تو تیرا چھوٹا گناہ تیرے حق میں اس کے بڑے گناہ سے زیادہ نقصان دہ ہو گا۔ (۹۹)

حواشی:

(۷۰) ملاحظہ کریں کتاب 'قرآن پر عمل' از محترمہ سمیعہ رمضان' ادارہ منشورات' لاہور

(۷۱) مسند احمد، مسند المؤمنين، بقية حديث ابى الغاوية

(۷۲) الصمت و آداب اللسان، دار الكتب العربية ص ۱۴۹، وقال الحوينى اسناده واه،
راقم عرض کرتا ہے کہ ضعف سند کے باوجود دین کی تعلیمات سے یہی طرز عمل مناسب معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ علامہ امیر صنعانی نے تنویر شرح جامع الصغیر میں اس روایت کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''اسلاف سے غیبت کے معاملے میں یہی طرز عمل منقول ہے۔''

(۷۳) سنن الترمذى' ابواب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي الذَّب عَنْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ، عن ابى الدرداء

(۷۴) مُسْنَدُ احمد بن حنبل، مسند القبائل، عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ

(۷۵) صحيح البخارى، كتاب الصلاة ،باب المساجد فى البيوت

(۷۶) صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه

(۷۷) ذم الغيبة والنميمة لابن ابى الدنيا، باب كفارة الاغتياب
(۷۸) سير اعلام النبلاء للذهبى (م: ۷٤۸هـ)
(۷۹) ايضاً
(۸۰) تاريخ دمشق لابن عساكر (م:۵۷۱هـ)
(۸۱) تاريخ الإسلام لذهبى
(۸۲) تاريخ الإسلام للذهبى
(۸۳) الطبقات الكبرى لابن سعد (م: ۲۳۰هـ)
(۸٤) ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب (م:۷۹۵ هـ)
(۸۵) مساوئ الاخلاق ومذمومها للخرائطى
(۸٦) ذم الغيبة والنميمة لابن ابى الدنيا (م: ۲۸۱هـ)
(۸۷) سير اعلام النبلاء للذهبى
(۸۸) سنن ابى داوٗد، كتاب الادب، باب فِى الْغِيبَةِ عَنْ اَبِى بَرْزَةَ الْاَسْلَمِىّ
(۸۹) مُصنف ابن ابى شيبة، كتاب الزُّهْدِما ذكِر فِى زهدِ الانبياءِ عليهم السلام و كلامهِم، كَلاَمُ عِيسَى عليه السلام
(۹۰) شعب الإيمان، الرابع والاربعون من شعب الإيمان، وهو باب فى تحريم اعراض الناس وما يلزم من ترك الوقوع فيها، فصل فيما ورد من الاخبار فى التشديد على من اقترض من عرض اخيه المسلم شيئا بسب او غيره
(۹۱) صحيح ابن حبان مرفوعا، كتاب الحظر والإباحة، باب الغيبة و ادب المفرد موقوفا، كتاب المريض، باب البغى كلهما۔ عن ابى هريره
(۹۲) مساوئ الاخلاق ومذمومها للخرائطى
(۹۳) سنن الترمذى، ابواب الإيمان ، باب مَا جَاءَ فِى حُرْمَةِ الصَّلاَةِ، عن معاذ
(۹٤) سنن الترمذى، ابواب الزهد، باب مَا جَاءَ فِى حِفْظِ اللِّسَانِ
(۹۵) رياض الصالحين، كتاب المورالمنهى عنها، باب تحريم الغيبة والامر بحفظ اللسان
(۹٦) سنن الترمذى، ابواب الزهد باب مَا جَاءَ فِى حِفْظِ اللِّسَانِ، باب مِنْهُ عَنِ ابْنِ عُمَر
(۹۷) كتاب الزهد لامام احمد بن حنبل، باب زهد ابى بكر الصديق
(۹۸) مجموع الفتاوٰى، مجمع الملك فهد:۲۲۱/۸۲، حرمة حضور مجالس المنكر
(۹۹) احياء علوم الدين للغزالى

اَلصَّلَاۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اَلصَّلَاۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ''نماز اہلِ ایمان کی معراج ہے!'' عام لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ حدیث کے الفاظ ہیں' مگر راسخ العلم علماء جانتے ہیں کہ یہ الفاظ حدیث کے نہیں بلکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی فضیلت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے اپنی مشہور تصنیف ''حُجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھے ہیں۔ اگرچہ یہ الفاظ حق نما ہیں' تاہم جو بات رسول اللہ ﷺ نے نہ فرمائی ہو اُسے آپؐ کی طرف منسوب کرنا ہرگز درست نہیں۔ یہ بہت بڑی غلطی' جھوٹ اور گناہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جانتے بوجھتے مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں کرلے۔'' (بخاری)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: توحید و رسالت کا اقرار' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج۔ ان میں نماز رکن رکین ہے۔ توحید اور رسالت کا اقرار کر کے تو بندہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ فریضہ جس پر اسے عمل کرنا ہے وہ پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے۔ یوں سمجھئے کہ نماز مؤمن کی نشانی ہے' کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد زکوٰۃ اور حج تو تب فرض ہوں گے اگر وہ صاحبِ مال ہوا۔ روزے رمضان کا مہینہ آنے پر رکھے جائیں گے۔ صرف نماز ہی ہے کہ جو ایمان لانے کے فوراً بعد پابندی کے ساتھ ادا کرنا فرض ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں کی عظیم اکثریت نماز کی ادائیگی سے غافل ہے اور اسے محض ثواب کا ایک کام سمجھتی ہے۔ حالانکہ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں نماز کی تاکید بار بار کی گئی ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے ہر حکم پر عمل پیرا تھے اس لیے آپؐ نے زندگی بھر نماز کی پابندی کی اور آپؐ کی متابعت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز ادا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی نبوی زندگی کا آغاز ہوا تو آپؐ پر صرف ایک دن میں دو نمازیں پڑھنا

فرض تھیں' فجر اور عشاء۔ پھر مکہ مکرمہ کے قیام کے آخری دور میں آپ ﷺ کو معراج کی سعادت ملی اور آپ ﷺ کو آسمانوں سے اوپر بلا لیا گیا اور دیگر تحفوں کے علاوہ پنجگانہ نماز کا تحفہ بھی ملا۔ اب ہر مسلمان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنا فرض ہوا۔ نماز وہ فریضہ ہے جو کسی وقت بھی معاف نہیں۔ انسان حضر میں ہو یا سفر میں' سُکھ میں ہو یا رنج میں' جوان ہو یا بوڑھا' تندرست ہو یا بیمار ہو' اسے نماز ہر حال میں پڑھنی ہے۔ اگر اتنا کمزور' مجبور' معذور یا بوڑھا ہو کہ ارکانِ نماز کی ادائیگی کما حقہٗ نہیں کر سکتا تو جیسے بھی ممکن ہو اسے نماز ادا کرنا ہے۔ بیٹھ کر پڑھ لے' لیٹ کر یا محض اشارے سے پڑھ لے' نماز بہر حال پڑھنی ہے' چھوڑنی نہیں۔

جب نماز فرض ہوئی تو نبی مکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ خود نماز پڑھیں اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی ادائیگی کا حکم دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ خود بھی انتہائی ذوق کے ساتھ نماز ادا کرتے اور گھر والوں اور تمام دوسرے مسلمانوں کو بھی نماز کی پابندی کا حکم دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر کوئی نماز کی اہمیت سے واقف تھا اور کوئی نماز ضائع نہ کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری الفاظ اس طرح تھے: ((اَلصَّلَاۃُ، اَلصَّلَاۃُ، اِتَّقُوا اللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ)) (ابو داؤد) ''لوگو! نماز کا خیال رکھنا' لوگو! نماز کا خیال رکھنا' اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔''

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر نماز کے لیے وقت مقرر ہے' تاہم نماز کا وقت ہو جائے تو ہر مسجد سے اذان بلند کی جاتی ہے تاکہ سب لوگ نماز کے لیے تیار ہو جائیں۔ جبکہ حج کے ایام مقرر ہیں۔ زکوٰۃ مال پر ایک سال گزر جائے تو ادا کرنی ہے۔ رمضان کا چاند نظر آ جائے تو روزے رکھنے ہیں۔ ان فرائض کے لیے وقت کا تقرر کافی ہے' مگر نماز کے لیے پانچوں وقت پابندی کے ساتھ اذان دی جاتی ہے اور مسلمانوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ نماز کے لیے تیار ہو جائیں۔ اگرچہ لوگوں کے پاس گھڑیاں موجود ہیں اور مساجد میں نماز کے اوقات بھی مقرر ہیں' پھر بھی ہر نماز کے لیے اذان کہنا ضروری ہے۔ فجر کی نماز رات کے آخری حصے میں پڑھی جاتی ہے' اُس وقت ہر شخص پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے' چنانچہ فجر کی اذان میں یہ بھی دہرا کر کہا جاتا ہے کہ ''نماز نیند سے بہتر ہے''۔ گویا نماز کی پابندی کروانے کے لیے کتنا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا

اور بندگی کا اظہار کرنا ہے اس لیے نماز سے پہلے وضو کا حکم ہے کہ بندہ صاف ستھرا ہو کر نماز کے لیے تیار ہو جائے۔ نمازی کا لباس بھی مناسب ہو اور اللہ کے حضور کھڑے ہونے کے لائق ہو۔ حکم ہے کہ بندہ نماز میں ہمہ تن مشغول ہو جائے اور یوں تصور کرے گویا وہ اپنے خالق و مالک کے سامنے کھڑا ہے اور وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر کسی وقت نماز میں کوئی اِدھر اُدھر کا خیال آ جائے تو فوراً اسے چھوڑ کر نماز کے الفاظ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

سجدہ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بندہ سجدے کی حالت میں اپنے ربّ کے انتہائی قریب ہوتا ہے''۔ (مسلم) اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کو مؤمنوں کی معراج کہا ہے' کیونکہ نماز میں سجدہ کرتے ہوئے وہ بندگی کے عروج پر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سجدے کی حالت میں زیادہ دعائیں کیا کرو''۔ (مسلم)۔ اسی طرح سجدے کی فضیلت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب بھی بندہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے۔'' (ترمذی' ابن ماجہ)

آدم کا بیٹا غلطی کر جاتا ہے' اس سے نامناسب کام بھی سرزد ہو جاتے ہیں جس سے وہ گناہگار ہوتا ہے' چنانچہ ہر شخص کو ضرورت ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ اس کے لیے وہ دعاؤں کا سہارا لیتا ہے اور گناہوں کی معافی کا امیدوار ہو جاتا ہے۔ نماز گناہوں کی معافی کا شرطیہ علاج ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ))(مسند احمد) ''پانچوں نمازوں کی پابندی آدمی کے تمام (صغیرہ) گناہ مٹا دیتی ہے۔'' حضور اکرم ﷺ نے طرح طرح سے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ نماز میں گناہوں کو مٹا دینے کی تاثیر ہے۔ ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بتلاؤ' اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو جس میں وہ روزانہ پانچ دفعہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟'' صحابہؓ نے عرض کیا: کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے' اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے''۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ایک دفعہ نبی مکرم ﷺ سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے' جہاں درختوں کے پتے از خود جھڑ رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم ان کے

پتے جھڑنے لگے۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابوذر! جب مؤمن بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔'' (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کے سوا بندوں کے گناہ کوئی نہیں بخش سکتا۔ پس اللہ کے حضور پورے آداب و شرائط اور خلوص سے نماز پڑھنا گناہوں کی بخشش کا سبب بن جائے گا۔ نماز کی پابندی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ ایک تو یہ ارکان اسلام میں سے ہے' دوسرے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بار بار حکم دیا ہے کہ وہ نماز قائم کریں اور اس کے لیے اذان کا طریقہ مقرر کیا ہے۔ تیسرے رسول اللہ ﷺ نے اس پر مداومت کی اور آپؐ کے اہل و عیال اور اصحاب نے کبھی نماز نہ چھوڑی۔ اب کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ نماز کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور اپنی خطاؤں اور گناہوں کی بخشش کا سامان نہ کرے۔ اتنی اہمیت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی مسلمان پنجگانہ نماز نہیں پڑھتا تو وہ سخت جاہل' احمق اور بدنصیب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ)) (صحیح مسلم) ''بندے کے اور کفر و شرک کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے''۔ ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان نماز قائم رکھنے کا عہد ہے' جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا''۔ (ترمذی) نماز کی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ترکِ نماز کے علاوہ کسی گناہ کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ (ترمذی)

نماز میں اللہ تعالیٰ کی ثناء کی جاتی ہے' شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں جو اعلیٰ اور اکمل دعا ہے اور قرآن کا حصہ ہے۔ رکوع اور سجود میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس بیان کرتے ہیں۔ قعدہ میں اقرار کرتے ہیں کہ ہر قسم کی مالی' بدنی عبادات اور نیاز کے سارے کلمات اللہ ہی کے لیے ہیں۔ پھر درود پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر اپنی (کثیر) رحمتیں بھیجے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا پر نماز ختم کرتے ہیں۔ دیکھا جائے تو نماز اللہ تعالیٰ کا ایک انمول تحفہ ہے' جو اس نے اپنے محبوب ﷺ کے ذریعے مؤمنین کو عطا فرمایا ہے۔ ضروری ہے کہ سب مسلمان نماز کے پابند ہوں اور اپنے اسلام کی حفاظت کریں۔

حضور ﷺ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے اور اس کو ترک کرنے والوں کے

لیے طرح طرح کی وعیدیں سنائی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دینی اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ٹھیک وقت پر نماز ادا کرنا''۔ انہوں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: ''ماں باپ کی خدمت کرنا''۔ انہوں نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جہاد فی سبیل اللہ۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت اور جہاد فی سبیل اللہ سے افضل اور محبوب عمل نماز کو بتلایا ہے۔ بلاشبہ نماز کا یہی مرتبہ و مقام ہے اور ہر مسلمان کو ذوق وشوق اور چاہت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے۔ اُمت کے متقی لوگ اور علمائے حق پنجگانہ نماز کے علاوہ کثرت سے نفل نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

نماز پڑھنے والوں کو کامیاب کہا گیا ہے اور ان کی فضیلت قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں بھی نمازوں کو گناہوں کا کفارہ کہا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ خود پابندی کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنے عزیز واقارب اور دوست واحباب کو نماز کی اہمیت کا احساس دلائے اور بتائے کہ آخرت کی کامیابی کے لیے نماز کی ادائیگی ضروری ہے' ورنہ حقیقی ناکامی کا سامنا کرنے پڑے گا۔ بے نماز اللہ کے غضب کا نشانہ بنے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگی اور دلیل ہوگی اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا تو وہ اس کے واسطے نہ نور بنے گی نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات اور وہ بدبخت قیامت کے دن قارون' فرعون' ہامان اور (مشرکینِ مکّہ کے سرغنہ) اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔'' (رواہ احمد)

قرآن مجید کی سورۃ المدثّر میں اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کا مکالمہ درج ہے۔ جنتی لوگ جہنم میں جانے والے اپنے دوستوں سے جہنم میں جانے کا سبب پوچھیں گے تو وہ جواباً کہیں گے: ﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ ''ہم نماز ادا نہیں کرتے تھے'' یعنی بے نماز تھے۔ محشر کے دن سب سے پہلا سوال نماز کا ہوگا۔ بے نمازی اسی وقت ناکام ونامراد ہو جائے گا۔ اس کے لیے وقت گزر چکا ہوگا اور پچھتانا کسی کام نہ آئے گا۔

❁❁❁

قتلِ غیرت کا قانون

غیر شرعی پہلوؤں کا جائزہ

مرتّب کردہ: ملی مجلس شرعی، لاہور

اسلام اور علماء کرام طبقہ نسواں کے محافظ اور خیر خواہ ہیں

اسلام وہ دین وتہذیب ہے جس کی بارانِ رحمت نے انسانوں اور دیگر مخلوقات کو سیراب کیا اور ان سب کو ان کے صحیح اور متوازن دائرۂ کار کے اندر بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کیے۔ نبی کریم ﷺ عرب کے جس معاشرے میں مبعوث ہوئے وہاں بھی عورت مظلومیت کا شکار تھی، چنانچہ اسلام نے عورتوں کو حقوق دیے، معاشرے میں ان کو اعلیٰ مقام دیا، ان کا دائرۂ کار متعین کیا، معاشرے میں ان کو بحیثیت ماں، بیوی، بیٹی اور بہن عزت کا مقام دیا اور ان کی صلاحیتوں کی نمو کے لیے تگ وتاز کا ایک وسیع میدان مہیا کیا۔

دوسری طرف مغرب کی ملحدانہ فکر وتہذیب ہے جس نے آزادی اور مساوات کا نعرہ لگا کر عورت کا استحصال کیا، اسے متاعِ بازار بنا دیا، اس پر ملازمت اور گھریلو زندگی کا دوہرا کردار ادا کرنے کا بوجھ ڈال دیا اور خاندانی نظام کو تباہ کر دیا۔ لیکن کئی دیگر وجوہ کی بنا پر مغربی تہذیب اس وقت دنیا کی ایک بالادست تہذیب ہے جو گلوبلائیزیشن کا نعرہ لگا کر اپنی ملحدانہ فکر اور تہذیب کو ساری دنیا میں پھیلانا اور نافذ کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی سیاسی بالادستی، حربی تفوق، تہذیبی چکاچوند اور اپنی وسیع پروپیگنڈا مشنری کے ذریعے عورتوں کے حقوق اور معاشرتی کردار کے حوالے سے اسلام اور علماء کرام کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا۔ مسلم معاشرے میں عورت کو مظلوم ومقہور قرار دے کر اسے مادر پدر آزادی اور صنفی مساوات کے چکر میں ڈال دیا اور اپنے گماشتہ مسلم حکمرانوں کے ذریعے اسلام کی بجائے مغرب کے فکری وتہذیبی منہاج کے مطابق عورتوں کے تحفّظ، دائرۂ کار اور حقوق کے لیے قانون سازی شروع

کر دی، اور یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ علماء کرام اور دینی عناصر عورتوں کے حقوق وکردار کے مخالف ہیں۔ ہم ملی مجلس شرعی کے سارے مکاتبِ فکر کے علماء اس تاثر کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ ہم عورتوں کے جائز حقوق وکردار کے مؤید اور محافظ ہیں، معاشرے میں ان کے بہتر کردار کے خواہاں ہیں اور ہر جائز معاملے میں ان کی حمایت کرتے ہیں..... اس فرق کے ساتھ کہ ہم یہ سب کچھ اسلامی منہاج کے اندر رہ کر کرنا چاہتے ہیں، نہ کہ مغرب کی ملحدانہ فکر وتہذیب کے مطابق۔

اس تمہید کے بعد آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت پاکستان نے عورتوں کی بہتری کے نام پر قتلِ غیرت کے عنوان سے جو قانون حال ہی میں پاس کیا ہے، وہ کس حد تک عورتوں کے مسائل حل کرے گا اور وہ اسلام کے شرعی قانون کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟

قانون بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس قانون کو دیکھ کر سب سے پہلا سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قانون بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی جب کہ کسی انسان کو قتل کرنے کی سزا کا قانون پہلے سے ہمارے قانونی ڈھانچے میں موجود ہے؟ اس کا جواب قانون بنانے والے (ن لیگ کی حکومت) اور قانون بنوانے والے (پیپلز پارٹی اور مغرب کے فنڈز سے چلنے والی این جی اوز) یہ دیتی ہیں کہ ان کا مقصد عورتوں پر ہونے والے ظلم کو روکنا ہے، کیونکہ حالیہ برسوں میں غیرت کی بنیاد پر ہونے والے عورتوں کے قتل کے واقعات کافی بڑھ گئے ہیں۔

ہم ان کے ان دونوں مقدمات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ قتل غیرت کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے اور یہ کہ غیرت کی بنیاد پر عورتوں کے مرد اولیاء (ولی کی جمع جس کے معنی گارڈین کے ہیں) کو انہیں قتل کرنے کی اجازت اسلام نہیں دیتا اور اس طرح قانون ہاتھ میں لینا غلط ہے۔ لیکن اس کے باوجود حکومت کا وضع کردہ یہ قانون غلط اور غیر اسلامی ہے، جیسا کہ ہم سطورِ ذیل میں واضح کریں گے۔

(۱) اس پر ہمارا پہلا تبصرہ وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے قرآن اٹھا کر ''لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ'' (یعنی مسلمان باہم لڑائی چھوڑ کر کتاب اللہ کا حکم مان لیں!) کا نعرہ لگانے پر کیا تھا کہ ''كلمة الحق يراد بها الباطل'' یعنی بات تو صحیح ہے لیکن اس سے ان کا مقصد ومفہوم غلط ہے۔

(۲) اصل بات یہ ہے کہ اس طرح کا قانون بنانا اور بنوانا یہ قانون بنانے والوں اور بنوانے والوں کا اپنا ایجنڈا ہے ہی نہیں۔ یہ تو مغرب کا ایجنڈا ہے جس کے قرائن واضح ہیں کہ امریکہ اور اقوامِ متحدہ نے یہ قانون بنانے پر حکومت پاکستان کو علی الاعلان مبارک باد دی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ مغرب کا ایجنڈا کیسے ہے؟ تو یہ بات بھی آسانی سے سمجھ میں آتی ہے' کیوں کہ مغربی استعمار نے پہلے مسلمان ملکوں پر قبضہ کیا' ان کا استحصال کیا' ان کو لُوٹا' ان کے اجتماعی ادارے منہدم کیے اور اپنی ملحدانہ فکر وتہذیب کے مطابق ان کی تشکیلِ نو کی' تاکہ مسلمان ہمیشہ ان کے غلام رہیں۔ پھر دوسری جنگ عظیم میں مغربی ممالک آپس میں لڑ کر کمزور ہوئے تو انہیں مسلم ممالک کو آزادی دینا پڑی' تو اب مغربی استعمار نے امن کا چولا اوڑھ لیا اور پرامن طریقوں سے مسلم معاشرے پر اپنی فکر وتہذیب اور اصول واَقدار غیر محسوس انداز میں جاری رکھنے اور نافذ کرنے کا منہج اختیار کیا۔ چنانچہ مسلمان ملکوں کی معیشت کو سرمایہ دارانہ نظام کے تحت امداد اور قرضوں کی معیشت میں جکڑا' سیاسی نظام کو مغربی جمہوریت کی زلفوں کا اسیر کیا اور اقتدار کے لیے مقامی سیاستدانوں کو گماشتے کا کردار ادا کرنے پر مجبور کیا۔ میڈیا کو مادر پدر آزادی دلائی کہ وہ فحاشی' عریانی اور بے پردگی پھیلائے اور مسلمانوں کے خاندانی نظام اور معاشرتی اقدار کو تباہ کرے۔ اور مغرب زدہ تعلیم خصوصاً مخلوط تعلیم کے ذریعے نوجوانوں کے اخلاق کو برباد کیا۔ مقامی این جی اوز کو فنڈز دیے تاکہ وہ ان کے اس ایجنڈے کو بروئے کار لانے میں مدد دیں۔

مغرب کا یہ ایجنڈا کیوں ہے؟ یہ بات بھی واضح ہے کہ اس طرح مغرب اپنی فکر وتہذیب مسلم ملکوں اور معاشروں پر غالب کرنا چاہتا ہے۔ انہیں ان کے نظریہ حیات (اسلام) سے دور کرنا چاہتا ہے تاکہ یہ ممالک کمزور ہو جائیں' ٹوٹ جائیں' ان کے دست نگر ہو جائیں اور ان کے آگے سرنگوں ہو جائیں..... اور اگر نہ ہوں تو وہ اپنی مہیب جنگی مشینری سے ان کا تورا بورا بنا دیتا ہے' جس طرح کہ اُس نے عراق' افغانستان اور لیبیا کو ہماری آنکھوں کے سامنے تباہ کیا اور شام' یمن اور پاکستان پر حملے جاری ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مغرب کو پاکستان میں اسلام اور اسلامی اصول واَقدار کا پھلنا پھولنا ناگوار ہے۔ وہ اپنی فنڈڈ این جی اوز اور گماشتہ حکمرانوں کے ذریعے اسلامی اصول وقدار کو مجروح کرنا چاہتا ہے' یہاں غیر اسلامی قوانین پاس کرانا چاہتا ہے اور جو اسلامی قوانین ماضی میں بنائے

جا چکے ہیں انہیں غیر مؤثر کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ علی الاعلان حدود وقوانین اور قانونِ توہینِ رسالت کی مذمت کرتا آ رہا ہے اور ان قوانین کو بدلنے کا مطالبہ کرتا رہا ہے۔ مشرف دور میں مغربی قوتوں نے زنا کے قوانین تبدیل کرائے اور اب اُس نے قتل غیرت کے نام پر قانون پاس کرنے پر حکومت پاکستان کو مبارک باد دی ہے۔

(۳) یاد رہے کہ قانون لوگوں کی ذہن سازی اور تربیت کا کام نہیں کرتا' بلکہ اگر کچھ سرکش عناصر صحیح رخ میں ذہن سازی اور تربیت کے باوجود دینی' معاشرتی اور اخلاقی اصول وضوابط توڑنے سے باز نہ آئیں تو ان کی تادیب کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔ لہٰذا حکومت پاکستان اگر غیرت کے نام پر ہونے والی قتل وغارت کو سچ مچ روکنا چاہتی ہے تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ان اسباب کو ختم کرتی جو قتل غیرت کا سبب بنتے ہیں' مثلاً میڈیا سے عریانی' فحاشی' بے پردگی اور رقص وسرود ختم کرتی' مخلوط تعلیم ختم کرتی' لوگوں میں صحیح تعلیم وتربیت کے ذریعے دینی شعور بیدار کرتی تاکہ مسلمان بچیاں باحیا ہوتیں' والدین کی فرماں بردار ہوتیں اور بے راہ روی کا شکار نہ ہوتیں۔ وہ اپنی مرضی کی شادی کرنے کے لیے گھروں سے بھاگ کر والدین اور خاندان کو زندہ درگور نہ کرتیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو قتل غیرت کے واقعات خود بخود کم ہو جاتے۔ اور اس کے باوجود اگر کوئی ثبوت کے بغیر غیرت کے نام پر اپنی بیوی/بیٹی/بہن کو قتل کرتا تو اسے اس قتل کی بروقت اور سخت سزا ملتی تو یہ سلسلہ ختم ہو جاتا' لیکن افسوس کہ حکومت پاکستان نے یہ راستہ نہیں اپنایا۔ اس کے برعکس حکومتی سرپرستی میں مغرب زدہ اور مخلوط تعلیم اور پرنٹ' الیکٹرانک اور سوشل میڈیا سب مل کر فحاشی' عریانی اور بے پردگی پھیلا رہے ہیں' رقص وسرود عام کر رہے ہیں اور لڑکیاں اس ''آزادی'' کو انجوائے کرنے کے لیے والدین کو زندہ درگور کر کے گھروں سے بھاگ رہی ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے قتل غیرت کے واقعات میں اضافہ ہی ہوگا' نہ کہ کمی واقع ہوگی۔

کیا غیرت کا خاتمہ مقصود ہے؟

(i) دیکھیے! غیرت کے نام پر قتل الگ چیز ہے اور خود غیرت کا قتل اور اس کا خاتمہ الگ چیز۔ پہلی چیز (قتل) مذموم ہے' لیکن دوسری چیز (غیرت) فطری بھی ہے اور قابلِ ستائش بھی' اور یہ ہر انسان خصوصاً مردوں میں اپنی عورتوں کے لیے پائی جاتی ہے' اور اسلام اس کا فروغ چاہتا ہے' اس کا خاتمہ نہیں۔ چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''غیرت انسانی فطرت میں

شامل ہے اور جو شخص غیرت نہیں رکھتا وہ گویا بدفطرت ہے۔''(۱)

اور موسوعہ فقہیہ کویت میں ہے: ''شریعتِ اسلامیہ میں نسل ونسب کی حفاظت کے لیے غیرت کو ایک مقام دیا گیا ہے۔ اگر لوگ اس میں کوتاہی کرنے لگیں تو ولدیتیں مشتبہ ہو جائیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ ہر قوم کے مردوں میں غیرت پائی جاتی ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال اور محرم رشتہ داروں کے بارے میں غیرت نہیں رکھتا وہ دیُّوث ہے۔''

بلکہ دیکھا جائے تو غیرت اللہ کی بھی صفت ہے اور اس کے رسول ﷺ کی بھی۔ کیونکہ اللہ نے قرآن حکیم میں نبی ﷺ کی بیویوں کو حکم دیا کہ بغیر پردہ اور نقاب کے باہر نہ نکلا کرو (الاحزاب ۳۳:۵۹)' اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد ان کی بیویوں سے شادی نہ کرنا کہ وہ تمہاری ماؤں کی طرح ہیں (الاحزاب ۳۳:۶۴) اور جب کچھ منافقوں نے نبی ﷺ کی چہیتی بیوی پر تہمت لگائی تو خود اللہ نے اس کی نفی کی (النور: ۲۴:۱۱۔۲۶)۔ یہ احکام واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی بیویوں کے حوالے سے غیرت کھاتا ہے۔

اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو پاؤں تو میں گواہ ڈھونڈنے نکلنے کی بجائے تلوار سے اس کا فیصلہ کر دوں گا' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری غیرت بجا' لیکن میں تم سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے' البتہ اسلام کا فیصلہ یہی ہے کہ اگر کسی نے ثبوت کے بغیر محض الزام کی بنیاد پر اپنی بیوی/ بہن/ بیٹی کو قتل کر دیا تو اسے قتل کی سزا ملے گی کیوں کہ اس طرح کا قتل جائز نہیں۔ (۲) ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! جب کوئی اللہ کا بندہ یا بندی زنا کرتا ہے تو اس مکروہ فعل پر سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے۔ (۳)

خلاصہ یہ کہ غیرت کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہوتی ہے کہ اللہ غیرت کھاتا ہے۔

(ii) اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے غیرت کھانے کے کئی واقعات موجود ہیں' مثلاً یہودی قبیلہ بنوقینقاع کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی جنگ ہوئی ہی اس لیے تھی کہ اس قبیلے کے ایک یہودی سنار نے زیور بنوانے کے لیے آنے والی ایک مسلمان خاتون کے ساتھ بدتمیزی کی اور شرارت سے اس کا تہبند اتروا دیا تھا۔ (۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دوسری شادی کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر مجمع عام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہوئے وہ دوسری شادی نہ کریں۔

(iii) قتل غیرت کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی واقعات منقول ہیں' مثلاً:

☆ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اسلامی لشکر سے پیچھے رہ گئے اور ان کی باندی ان کے ساتھ تھی۔ دو آدمیوں نے ان سے باندی چھیننے کی کوشش کی تو آپؓ نے مدافعت کرتے ہوئے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ (۵)

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک آدمی خون آلود تلوار لیے آیا اور کھانے میں شریک ہو گیا۔ اتنے میں لوگ شور کرتے اس کے پیچھے آئے کہ اس نے ہمارا ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے استفسار پر اس شخص نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ زنا کرتے دیکھا تو تلوار سے وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اگر دوبارہ بھی کوئی ایسا کرے تو اس کا یہی حال کرنا۔''(۶)

☆ بعض اوقات غیرت کا سبب خواتین کی بجائے دینی حمیت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ذاتی ایذا پر صبر کر لیتے تھے لیکن اگر کوئی حدود اللہ کو توڑتا تو غیرتِ ایمانی کے سبب آپؐ سے غصہ برداشت نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جب لوگوں کے کہنے پر بنومخزوم کی خاتون فاطمہ کے چوری کرنے کی سزا پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی تو غصے سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: ''تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو؟'' اور پھر وہ تاریخی جملے ارشاد فرمائے کہ ''خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو محمد ﷺ اس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔''(۷) اور جن لوگوں نے اللہ ورسول کے خلاف پروپیگنڈا کیا کہ لوگ اسلام قبول نہ کریں تو آپ ﷺ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔

☆ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے نبی کریم ﷺ کا فیصلہ سن کر اسے تسلیم نہ کیا اور آپؐ سے فیصلہ لینے آ گیا۔ (۸) اور اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد اور قریش کے سردار ابوسفیان کو نبی کریم ﷺ کے بستر پر نہ بیٹھنے دیا اور اسے لپیٹ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر ایک مشرک کا بیٹھنا ان کی غیرتِ ایمانی کو گوارا نہ ہوا۔ (۹)

پس ثابت ہوا کہ غیرت ایک محمود اور قابلِ تعریف جذبہ ہے اور اس کا فقدان یعنی

بے غیرت ہونا ایک عیب بلکہ گالی سمجھی جاتی ہے۔ بے غیرت کو عربی میں ''دیُّوث'' کہا جاتا ہے اور دیوث کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین خصلتوں والوں کو روزِ قیامت نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا جن میں سے ایک دیوث ہوگا۔ چنانچہ بے غیرتی قابلِ مذمت ہے اور جو لوگ مسلم معاشرے میں بے غیرتی پھیلانا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ خود بھی اس وصفِ غیرت سے محروم اور قابلِ مذمت ہیں۔

قتلِ غیرت کی سزا

غیرت چونکہ ایک فطری اور محمود جذبہ ہے لہٰذا شریعت اس کی مذمت نہیں کرتی، لیکن اگر وفورِ غیرت سے کوئی کسی کی جان لے لے تو یہ بھی شریعت میں ناقابلِ قبول ہے، کیونکہ کسی جان کا ضیاع بہت بڑا نقصان اور سنجیدہ معاملہ ہے۔ چنانچہ قرآن وسنت اس معاملے میں ہماری مندرجہ ذیل رہنمائی کرتے ہیں۔

(i) ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی کے کردار پر شک کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے طلاق دے دو۔ ان صاحب نے کہا کہ شاید وہ یہ نہ کرسکیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کے ساتھ نباہ کرو۔ (۱۰)

(ii) ایک اور صحابیؓ نے اپنی بیوی کے کردار پر شک کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے دونوں میں لعان کے ذریعے علیحدگی کرادی۔ (۱۱)

لعان یہ ہے کہ ہر فریق باری باری اپنے سچا ہونے کی چار دفعہ قسمیں کھائے اور پانچویں دفعہ یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد ان میں دائمی علیحدگی کرادی جائے۔

(iii) تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنی عزت کے دفاع میں جارح کو قتل کردے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی، کیونکہ ہر آدمی کو اپنی جان، مال اور عزت کے دفاع کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''جو آدمی اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے۔'' (۱۲) اور اگر بیوی پر جبراً واقع ہو تو اس کے ساتھ منہ کالا کرنے والے کا قتل کرنا دفاع کی قبیل سے ہے، جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ ''گھر حرم ہے، جو شخص تمہارے حرم میں داخل ہوا اس کو قتل کردو۔'' (۱۳) اور ایک انصاری صحابی کی بیٹی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں

اس سے زبردستی زنا کرنے والے کو قتل کردیا تو آپؓ نے اسے سزا دینے کی بجائے اس کی تعریف کی۔ (۱۴)

(iv) چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی (یا محرم) کے ساتھ زنا کرتے دیکھے تو قرآن وسنت کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اسے خود قتل کرنے کی بجائے چار گواہ ڈھونڈے۔ اگر عدالت میں چار مسلمان گواہ اس کی گواہی دیں تو عدالت ایسے زانی کو مُحصِن (شادی شدہ) ہونے کی صورت میں رجم کی اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہونے کی صورت میں سو کوڑوں کی سزا دے گی۔ اگر عورت اس زنا پر رضامند تھی تو وہ بھی سزا کی مستحق ہوگی اور اگر اس پر جبر کیا گیا ہو تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔

اور اگر متعلقہ شخص اشتعال میں آکر مجرم کو خود قتل کردے تو عدالت ثبوتوں کا جائزہ لے گی۔ اگر وہ مطمئن ہوجائے کہ مذکورہ شخص نے قتل اسی وجہ سے کیا تھا تو وہ اسے حدِ قتل کی سزا دینے کی بجائے تعزیراً ہلکی سزا دے گی، اس بنا پر کہ اس نے قانون ہاتھ میں کیوں لیا؟ لیکن اگر مذکورہ شخص عدالت کو قابل اطمینان ثبوت مہیا نہ کرسکے تو عدالت اسے قتل عمد کی سزا دے گی جو قصاص یعنی سزائے موت ہے۔ چونکہ قرآن وسنت نے واضح کیا ہے کہ قصاص مقتول پارٹی کا حق ہے نہ کہ ریاست کا، اس لیے اگر مقتول کے ورثاء چاہیں تو قصاص لے لیں اور چاہیں تو قاتل پارٹی کو معاف کردیں، دیت (خوں بہا) لے کر یا ویسے ہی فی سبیل اللہ۔ ریاست البتہ اس معافی کے باوجود جتنی تعزیری سزا چاہے مجرم کو دے سکتی ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ فوری اور اچانک اشتعال اور غصے کی حالت میں کیے گئے قتل اور منصوبہ بندی سے کیے گئے قتل میں فرق کیا جاتا ہے۔ پاکستان سمیت کئی مسلم ممالک بلکہ بعض مغربی ممالک میں بھی ایسے قتل کو قتل خطا قرار دیا جاتا ہے اور مجرم کو ہلکی سزا دی جاتی ہے۔ اس کی اسلامی سزا دیت ہے نہ کہ سزائے موت۔

قتلِ غیرت اور فساد فی الارض

قتلِ غیرت میں اگر قتل کی سزا قصاص کی صورت میں دی جائے تو کئی معاشرتی المیے جنم لیتے ہیں، مثلاً اگر خاوند نے بیوی کے بے کردار ہونے پر اسے قتل کردیا اور حکومت نے شوہر کو قصاص میں پھانسی چڑھا دیا تو ظاہر ہے اس میاں بیوی کی اولاد رُل جائے گی اور گھر اجڑ جائے

گا بلکہ ختم ہو جائے گا۔ اس لیے خاندان والے بعض اوقات مل کر اور مشورہ کر کے قاتل کو معاف کر دیتے ہیں تا کہ گھر مکمل تباہی سے بچ جائے۔ اور یہ معروف امر ہے کہ اسلام میں اس طرح کی معافی کی گنجائش موجود ہے۔

مغرب زدہ افراد اور این جی اوز کا خیال ہے کہ مقتول پارٹی کو معاف کر دینے کے اس اختیار کا غلط استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے قتل غیرت کے نام پر عورت پر ظلم ہوتا ہے' لہٰذا معافی کی یہ سہولت کسی طرح ختم کر دی جائے' حالانکہ معافی کی یہ گنجائش قرآن حکیم میں موجود ہے۔ (البقرۃ ۲:۱۷۸) لہٰذا اسے ختم کرنا تمرد اور خدائی اختیار کو چیلنج کرنا ہے۔ چنانچہ لگتا ہے کہ کسی متجد د اسلامی سکالر یا متساہل عالم نے انہیں یہ حیلہ بتایا کہ اگر اس قتل کو قتل عمد کی بجائے آیت محاربہ کے تحت فساد فی الارض قرار دیا جائے یعنی اسے فرد کی بجائے معاشرے اور ریاست کے خلاف جرم قرار دے دیا جائے تو پھر یہ قابلِ معافی اور قابلِ راضی نامہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ حکومت نے قتل غیرت کا جو قانون پاس کیا ہے اس میں قتلِ غیرت کو قتلِ عمد کی بجائے فساد فی الارض قرار دیا ہے اور کسی فرد کی بجائے ریاست کو مدعی قرار دیا ہے تا کہ قاتل کو بہر صورت سزا ہی ملے' معافی نہ مل سکے۔ حالانکہ انفرادی قتل کو محاربہ اور فساد فی الارض قرار نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ فساد فی الارض اور محاربہ کسی ایک فرد کی طرف سے نہیں بلکہ کسی گروہ اور جتھے کی طرف سے کی جانے والی واردات کو کہا جاتا ہے۔ آیتِ محاربہ میں بھی اللہ ربّ العزت نے مجرموں کے لیے جمع کے صیغے استعمال کیے ہیں۔ صرف آیتِ محاربہ ہی نہیں بلکہ قرآن حکیم میں قریب قریب جہاں بھی فساد فی الارض کا ذکر آیا ہے وہاں مجرموں کے لیے جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ اسی طرح فساد فی الارض کے تحت ڈالے جانے والے ڈاکے کو فقہاء نے ''سرقۃ الکبریٰ'' کہا ہے۔ عقلاً بھی ایک شخص کا فساد فی الارض کا مرتکب ہونا محال دکھائی دیتا ہے۔ بفرضِ محال کسی فرد واحد کے فعل سے اگر زمین پر فساد برپا بھی ہو رہا ہو' جیسا کہ خودکش حملہ آور کی صورت میں ہوتا ہے' تو بھی ہم اسے فرد واحد کی کوشش کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے' کیونکہ اس کے ساتھ پورا گروہ موجود ہوتا ہے جو اس کی تربیت کرتا ہے اور اسے اس فعل شنیع پر آمادہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر قتلِ عمد میں معافی کی گنجائش رکھی ہے تو ظاہر ہے اس میں انسانوں کے لیے مصلحت' حکمت اور وسعت ہے اور معاشرے کو بالآخر اس کا فائدہ پہنچتا ہے کہ متحارب

فریقین میں صلح ہو جاتی ہے' مزید قتل و غارت کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور فساد فی الارض کو بریک لگ جاتی ہے۔ گویا قرآن نے معاشرے کو فساد فی الارض سے بچانے کے لیے جو راستہ کھلا رکھا تھا اسے یہ مغرب زدہ بقراط بند کر کے فساد فی الارض کا راستہ کھولنا چاہتے ہیں' لیکن دعویٰ الثایہ کرتے ہیں کہ وہ فساد فی الارض کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ ان کے اس کردار کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں خوب واضح کیا ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫﴾ (البقرۃ)

''اور جب انہیں کہا جائے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔''

اور لطف کی بات یہ ہے کہ جس متجد د سکالر یا متساہل عالم نے انہیں ایک فرد کے خلاف جرم کو (بشرطیکہ وہ جرم ہی ہو) معاشرے اور ریاست کے خلاف جرم قرار دینے کا حیلہ بتایا' اس نے ان بقراطوں کو پوری بات نہیں بتائی اور یہ نہیں بتایا کہ فساد فی الارض کا مجرم بھی اگر پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لے تو اس کی معافی کا اعلان خود قرآن میں موجود ہے۔ (المائدۃ ۵:۳۴) لہٰذا قتل غیرت کو فساد فی الارض کہہ کر اسے معاشرے اور ریاست کے خلاف جرم قرار دینا حکم قرآنی کی خلاف ورزی اور دین سے کھلواڑ ہے۔ البتہ ریاست کے خلاف بغاوت اور محاربہ کی صورت میں ریاست مدعی بن سکتی ہے۔ اسی طرح ریاست مجرموں کو مقتول کے ورثاء یا ان کی کارروائی سے متاثرہ افراد کی طرف سے معاف کر دینے کے بعد بھی مناسب تعزیری سزا دے سکتی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ قتل غیرت میں ریاست کو بہر صورت مدعی بنانا بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور منشاء کے خلاف ہے' جبکہ اس جرم کو قابلِ راضی نامہ قرار نہ دینا شریعتِ اسلامیہ پر صریحاً تجاوز ہے۔

فقہاء کا موقف

مندرجہ بالا بحث زیادہ تر قرآن و سنت کی روشنی میں کی گئی ہے جو ہمارے دین کا بنیادی مآخذ ہیں۔ اب ہم اس ضمن میں فقہاء کا موقف بھی بیان کیے دیتے ہیں تا کہ واضح ہو جائے کہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے بلکہ مسلمان علماء و فقہاء کا ہمیشہ سے یہی موقف رہا ہے۔

اس بارے میں احناف کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص اس کی یا دوسرے کی بیوی سے زنا کر رہا ہو اور آدمی کی چیخ وپکار کے باوجود نہ تو زنا سے باز آئے اور نہ بھاگ جائے تو اس آدمی کے لیے ایسے شخص کو قتل کرنا جائز ہے۔ اگر وہ اسے قتل کر دے تو اس پر کوئی قصاص نہیں۔ (۱۵)

''کنز الدقائق'' ہی میں دوسری جگہ ہے کہ اگر آدمی سمجھتا ہے کہ چیخ وپکار یا اسلحہ کے بغیر مار پیٹ سے مجرم بھاگ جائے گا تو اس صورت میں قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر ایسے مجرم کے باز آنے کا امکان نہ ہو تو تب اسے قتل کرنا جائز ہے۔ اور اگر عورت بھی خوشی سے اس مجرم کے ساتھ شریک تھی تو مرد کے ساتھ اس عورت کو بھی قتل کرنا درست ہے۔ جیسا کہ حنفی فقہ کی مشہور کتاب ''مُنیة المُصلّی'' میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی یا اپنی محرم عورت کے ساتھ کسی آدمی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ دونوں اس بدکاری میں برضا و رغبت شریک تھے اور اس مرد نے زانی اور زانیہ دونوں کو قتل کر دیا تو جائز ہے —— ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ معصیت کے وقت اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے اور نہی عن المنکر کی بنا یہ نیکی کا کام شمار ہوگا' البتہ وقوعہ کے بعد سزا کا اختیار صرف حاکم وقت کے پاس ہے۔ (۱۶)

شوافع نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ دیکھئے تفصیل کے لیے مغنی المحتاج: ۵/۵۳۰

اہلِ تشیّع میں سے زید یہ کا موقف بھی اس سے ملتا جلتا ہے: ''جب کوئی شخص دورانِ بدکاری اپنی بیوی یا لونڈی کو رنگے ہاتھوں پکڑے تو ایسی صورت میں اس کے لیے قتل کرنا جائز ہے' لیکن بدکاری کے موقعہ کے بعد اگر وہ ایسا کرے تو مقتول کے غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔''

حنابلہ خصوصاً ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی رائے یہ ہے کہ کسی مسلمان کی عزت میں دخل اندازی کرنے والے کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی چاروں فقہوں کے تقابلی مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ''فقہاءِ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص اپنی جان' مال اور آبرو کے لیے قتل تک کر دے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا۔ نیز یہ کہ مذاہبِ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی سے زنا کرنے والے کو قتل کرنے پر قاتل سے کوئی قصاص و دیت نہیں' جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔'' (۱۷) تاہم اگر قاتل اپنے اقدامِ قتل کو عدالت میں جائز ثابت نہ کر سکے تو سزا کا

حق دار ٹھہرے گا۔ اس پر جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیصلے موجود ہیں۔ علامہ ابن البرؒ نے تو ایسے شخص کو قتل کی سزا دینے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے جو بدکاروں کو قتل کر دے لیکن ان کی بدکاری پر گواہ یا ثبوت لے کر نہ آئے۔ یہ مسالکِ اربعہ کا متفقہ موقف ہے۔ (۱۸)

حاصلِ بحث

سطورِ بالا میں قرآن وسنت کے احکام اور فقہاء کی آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ ثبوت کے بغیر عورت کو بدکرداری کے جرم میں خود قتل کر دینا خلافِ شریعت ہے اور اس معاملے سے نمٹنے کے دوسرے طریقے آزمائے جانے چاہئیں جن کا راستہ اللہ نے کھلا رکھا ہے اور جن کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے۔ اس کے ساتھ ان محرکات وعوامل کا خاتمہ ازبس ضروری ہے جو عورت کو بے راہ روی پر اکساتے ہیں۔ خصوصاً عورت کو بے پردگی' عریانی' فحاشی اور زنا پر اکسانے والے ٹی وی چینلز' مخلوط تعلیم' سوشل میڈیا پر پابندی اور ان کی اصلاح ضروری ہے' اور نہ صرف یہ بلکہ اسلامی اصول واقدار کے مطابق گھروں اور تعلیمی اداروں میں نسل نو کی اسلامی تربیت ضروری ہے تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے میں آسانی اور راحت محسوس کریں۔ اگر عورت کا کردار پاکیزہ ہو' وہ بے راہ روی اختیار نہ کرے اور مَردوں کی غیرت کو چیلنج نہ کرے تو مَردوں کا دماغ تو خراب نہیں ہے کہ وہ انہیں قتل کر کے خود جیلوں میں سڑتے رہیں اور اولاد سڑکوں' یتیم خانوں اور رشتہ داروں کے ہاں رُلتی رہے۔

ہمارے حکمرانوں کو چاہیے کہ عقل سے کام لیں اور امریکہ ویورپ کی خوشنودی کے لیے یا ان کے دباؤ میں آکر ان کے غیر اسلامی قوانین مسلم معاشرے میں رائج نہ کریں' بلکہ اپنے معاشرے کو اسلامی اصولوں پر چلائیں۔ انہیں یہ بھی چاہیے کہ جو این جی اوز مغربی ممالک سے فنڈز لے کر پاکستان میں مغربی اقدار کے مطابق ماحول پیدا کرنا چاہتی ہیں ان پر پابندی لگائیں اور انہیں گمراہی پھیلانے کا موقع نہ دیں۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ قتل غیرت کے مذکورہ قانون پر عمل درآمد موخر کر دیا جائے اور اس کی اصلاح کی جائے کیونکہ یہ غیر اسلامی ہے۔ اس قانون کو متوازن بنانے کے حوالے سے ہماری تجاویز درج ذیل ہیں:

(۱) اگر بے حیائی کی کوئی واردات وقوع پذیر ہو تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ایسے ملزم کو

قانون کے سپرد کر دیا جائے اور خود اپنے دامن کو اس کے خون کے چھینٹوں سے آلودہ نہ کیا جائے۔

(۲) بالخصوص میاں اور بیوی کے رشتے میں شریعت نے ایسی عورت کو قتل کرنے کی بجائے لعان کا راستہ بتایا ہے جو کہ میاں بیوی کی علیحدگی پر منتج ہو جاتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہے جب خاوند بچشم خود بیوی کو بے حیائی کرتا دیکھ لے لیکن گواہان مفقود ہوں۔ ایسی بے حیا بیوی کے لیے یہ سزا اسے مارنے سے بھی کہیں زیادہ اذیت ناک ہے کہ اس کا خاوند اور اس کے بچے اس سے الگ ہو جائیں اور وہ معاشرے میں مطعون ہو کر زندہ رہے۔

(۳) اگر کوئی شخص حقیقت میں اپنی بہن یا بیٹی کو بدکاری کا مرتکب پائے اور مشتعل ہو کر اسے قتل کر دے تو بعد میں اگر تفتیش کے دوران یہ بات سچ ثابت ہو جائے کہ مقتولہ واقعتاً برائی کا ارتکاب کر رہی تھی تو اس صورت میں قاتل بھائی، باپ یا خاوند پر کوئی قصاص نہیں۔ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی سے زبردستی زنا کرنے والے کو قتل کرنے والے قاتل خاوند پر نہ کوئی قصاص ہے نہ کوئی دیت۔ اگر عورت رضامندی کے ساتھ زنا کاری کرے تو اس کے قتل پر بھی یہی حکم ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب قاتل یہ ثابت کر سکے کہ دونوں برضا و رغبت اس گناہ میں شریک تھے۔ اگر گواہیاں مفقود ہوں تو انہیں قتل کرنے سے اجتناب بہتر ہے، کیونکہ گواہان کی شہادت کے بغیر انہیں قتل کرنے والا اپنے اقدامِ قتل کو عدالت میں نہ ثابت کر سکے تو سزا کا حق دار ٹھہرے گا۔

اس کے برعکس اگر بیوی بھی اس گناہ میں برضا شریک ہو تو ان دونوں کا قتل نہی عن المنکر کی قبیل سے ہوگا جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آنے والے واقعہ میں مذکور ہے۔ البتہ قانون کو ہاتھ میں لینے پر ملزم کو مناسب تعزیری سزا دی جا سکتی ہے تاکہ معاشرے میں قانون کی پاسداری کا رجحان غالب رہے۔

(۴) اگر کوئی محض شک اور سنی سنائی بات یا کسی طمع کی خاطر قتل غیرت کی آڑ میں اپنی بہن یا بیوی کو قتل کر دیتا ہے اور تفتیش کے دوران یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مقتولہ کسی قسم کی برائی میں ملوث تھی تو ایسے قاتل کو اگر اس کا وارث معاف بھی کر دے تو مقتولہ کے اوپر غلط الزام لگانے اور قانون ہاتھ میں لینے کی پاداش میں کڑی تعزیری سزا دی جا سکتی ہے جیسے لمبی سزائے قید یا سزائے عمر قید۔

(۵) قتل غیرت کو قصاص کے تحت ہی رکھا جائے اور فساد فی الارض کے تحت جرائم میں شامل نہ کیا جائے۔ اسے قصاص کے تحت رکھتے ہوئے ہر طرح کی صورتحال سے بحسن و خوبی نمٹا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہم نے درج بالا تجاویز میں واضح کر دیا ہے۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہونا چاہیے اور ہم اس کے حامی اور علَم بردار ہیں، لیکن یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ اس کے لیے احکامِ شریعت کی خلاف ورزی کی جائے اور دینی تعلیمات سے کھلواڑ کیا جائے۔ لہٰذا اس قانون کی اسلامی حیثیت جانچنے کے لیے اسے اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس بھیجا جائے، بلکہ اسے معاشرے میں کھلی بحث کے لیے پیش کر دیا جائے، تاکہ مغرب زدہ لوگوں کے علاوہ اسلامی ذہن کے لوگ بھی اس پر تبصرہ کر سکیں اور اس کے لیے اچھی اور مفید تجاویز سامنے لا سکیں۔

حکومت سے مذکورہ بالا مطالبات کرنے کے ساتھ ساتھ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان عامۃ الناس اور دینی عناصر بھی اس ضمن میں اپنی ذمہ داری کما حقہ پوری نہیں کر رہے۔ ہمیں گھروں کا ماحول ایسا بنانا چاہیے کہ بچوں کی اسلامی تربیت ہو۔ کچی عمر میں انہیں موبائل، ٹی وی، سوشل میڈیا کی شر انگیزی سے بچانے کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ بچے کو سکول بھیج کر والدین کو خود غیر متعلق ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے بلکہ اس کی نگرانی کرنی چاہیے کہ سکول بچے کی کس طرح کی تربیت کر رہا ہے۔ علماء اور عوام کو میڈیا کی فحاشی، عریانی، بے پردگی اور رقص و سرود پھیلانے کی روش کے خلاف بھی اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ انہیں مخلوط تعلیم کے خلاف بھی آواز اٹھانی چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ والدین، معاشرے اور دینی عناصر کو نئی نسل کو فساد سے بچانے اور ان کی مثبت اور تعمیری تربیت کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے اور اس کام کے نہ کرنے کے لیے صرف حکومتی اداروں کو مطعون کر کے خود خاموش نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم ایک بار پھر کہتے ہیں کہ ہم عورتوں پر ظلم کے خلاف ہیں، ان پر ظلم نہیں ہونا چاہیے اور ان کے جائز حقوق ان کو ملنے چاہئیں، لیکن انہیں بھی یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اپنے والدین اور خاندان پر ظلم کریں۔ ماں باپ محبت اور شفقت سے جگر کا ٹکڑا سمجھ کر انہیں پالیں پوسیں اور تعلیم دلوائیں اور اس کے جواب میں وہ لڑکوں سے دوستیاں کریں اور ماں باپ اور خاندان کے منہ پر کالک مل کر اور انہیں رسوا اور زندہ درگور

کر کے گھر سے بھاگ کر پسند کی شادی کرلیں اور مغرب زدہ این جی اوز مغرب سے ملنے والا پیسہ حلال کرنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کریں اور عدالتیں اور حکومتی ادارے بھی ان کی پشت پناہی کریں۔ ظاہر ہے یہ صورت حال علماء کرام، دینی عناصر اور مسلم معاشرے کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔

حواشی

(۱) فتح الباری، ج۹، ص ۳۳۰۔

(۲) صحیح مسلم، ح۳۷٦٤۔

(۳) صحیح البخاری، ح۱۰٤۲۔

(٤) السیرۃ النبویۃ فی ضوء مصادرھا الاصلیۃ، ص ۳۷۰۔

(٥) المغنی، ج۱۱، ص ٤٦۲۔

(٦) فقہ عمرؓ، ص:۲۱٤، اقضیۃ الخلفاء الراشدین، ج۱، ص ٥۸۳۔

(۷) سنن النسائی، ح ٤۹۰٤۔

(۸) تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص ۷۸۹۔

(۹) سیرت ابن ہشام، ج٤، ص ٥٥۔

(۱۰) سنن ابی داؤد، ح ۱۸۰٤۔

(۱۱) صحیح البخاری، ح ٤۷٤۷۔

(۱۲) سنن الترمذی، ح ۱٤۲۱۔

(۱۳) مسند احمد، ح ۲۲٦٦۔

(۱٤) مسند الفاروق، ج۲، ص ٤٥٦۔ الطریق الحکمیۃ، ص ٤۰۔

(۱٥) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج٥، ص ٤٤۔

(۱٦) کنز الدقائق، ج٥، ص ٥۳۰۔

(۱۷) الفقہ الاسلامی وادلتہ ج٥، ص ۷٥۹، بحوالہ حاشیہ ابن عابد ین ج٦، ص٥٤٦۔
المغنی ج۱۰، ص ۳٥۱ تا ۳٥۳۔ مغنی المحتاج، ج٤، ص ۱۹٤۔

(۱۸) کتاب : التمہید، ج۲۱، ص ۲۸۰۔

❁❁❁

جنابِ جاوید غامدی اور جماعتِ احمدیہ لاہور کس مخمصے میں ہیں؟

محمد سفیر الاسلام ☆

ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل کراچی کی ۲ تا ۸ دسمبر ۲۰۱۶ء اور میثاق فروری ۲۰۱۷ء کی اشاعت میں شکیل عثمانی صاحب کا ایک مضمون ''جاوید غامدی اور جماعتِ احمدیہ لاہور' مخمصے میں'' پڑھا۔ اس مضمون سے دو اور دو چار کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب جاوید غامدی اور جماعتِ احمدیہ لاہور مسئلۂ تکفیر کے بارے میں اپنے اختیار کردہ موقف کے سبب ایک مخمصے میں ہیں۔ ہماری دونوں سے اپیل ہے کہ جلد از جلد اس مخمصے سے نکل آئیں اور ایک اصولی موقف اختیار کریں۔

جناب جاوید غامدی صاحب کے نقطۂ نظر کی بنیاد دو کلیے ہیں۔ اوّل احمدی مؤوّل ہیں اور مؤوّل کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ دوم قرآن کی رو سے تکفیر کے لیے اتمامِ حُجّت لازمی ہے اور اتمامِ حجت صرف اللہ کے رسول ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد تکفیر کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے اور اب کسی فرد یا گروہ کو یہ حق حاصل نہیں رہا کہ وہ کسی شخص کو کافر قرار دے۔ جہاں تک احمدیوں کے مؤوّل ہونے کا تعلق ہے تو یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا ہر قسم کے مؤوّل کا ایک ہی حکم ہے اور تاویل کس حد تک قبول کی جاسکتی ہے؟ یہ ایک طویل بحث ہے۔ اس بحث میں اگر یہ ثابت بھی کر دیا جائے کہ احمدی مؤوّل نہیں ہیں تو جاوید غامدی صاحب کا قرآن سے کشید کیا ہوا قانونِ اتمامِ حجت اس بحث کے نتیجے کو کالعدم کر دے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ ''قرآنی'' قانون اتمامِ حجت ان کے جلیل القدر استاد امام امین احسن اصلاحیؒ کی سمجھ میں نہیں آسکا اور انھوں نے قادیانیوں کی تکفیر کر دی۔ استاذ امام نے نہ صرف

☆ safeerjanjua@gmail.com

قادیانیوں کی تکفیر کی بلکہ مصلحانہ جہاد اور ارتداد کی سزا کے بارے میں بھی جمہور کا موقف اختیار کیا' جب کہ قانون اتمامِ حجت کے تحت اِس دور میں غامدی صاحب مصلحانہ جہاد اور ارتداد کی سزا کے مخالف ہیں۔

(یہ صرف اشارے ہیں' تفصیل کے لیے قارئین غامدی صاحب کی کتابیں بالخصوص ''میزان'' ملاحظہ فرمائیں!)

جماعتِ احمدیہ کے بارے میں شکیل عثمانی صاحب نے اہلِ قبلہ کے حوالے سے حقائق پر مبنی دلائل دیے ہیں۔ ہندوستان میں برطانوی استعمار کے غلبے کے بعد جب احمدیوں کا کفر زیرِ بحث آیا تو متکلمین کے اس قول کا حوالہ دیا گیا کہ ہم اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے اور اس سے یہ مطلب کشید کیا گیا کہ جو شخص مکّہ مکرمہ کے بیت اللہ کو قبلہ مانتا ہے' اسے کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں برصغیر کے ممتاز عالمِ دین' چشتی صوفی اور بلند پایہ متکلّم مولانا محمد عبدالعزیز فرہاری (پ ۱۲۰۹ ہجری۔ ۲۵، ۱۷۹۴ عیسوی) کی کتاب ''النبراس شرح شرح العقائد النسفیة'' سے ایک اقتباس نقل کر کے اس دلیل کے تار و پود بکھیر دیے ہیں۔ یہ اقتباس اتنا اہم ہے کہ اسے یاددہانی کے لیے قارئین کی خدمت میں دوبارہ پیش کرنا مناسب ہوگا۔ یہ خصوصیت سے ان قارئین کے لیے مفید ہوگا جن کی نظر سے عثمانی صاحب کا محولہ بالا مضمون ''جنابِ جاوید غامدی اور جماعتِ احمدیہ لاہور' مخمصے میں'' نہیں گزرا۔ مولانا محمد عبدالعزیز فرہاری لکھتے ہیں:

> ''ہم اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہلِ قبلہ سے لغوی اعتبار سے وہ شخص مراد ہے جو کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے یا اسے قبلہ مانے' لیکن متکلمین کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ضروریاتِ دین کی تصدیق کرے' یعنی ان امور کی جن کا ثبوت شرع سے معلوم و مشہور ہے۔ لیکن جس شخص نے ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا انکار کیا' مثلاً حدوثِ عالَم کا' یا حشرِ اَجساد کا یا اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات کا' یا فرضیتِ صلاۃ و صوم کا' تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہے' خواہ وہ طاعات میں مجاہدہ کرتا ہو۔ اسی طرح جس شخص نے ایسا کام کیا جو دین کی تکذیب کی علامات میں سے ہے' جیسے بتوں کو سجدہ کیا یا کسی شرعی امر کی توہین و استہزا کا مرتکب ہوا' تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہے۔ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان فقط اس وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جائے گا کہ اس نے گناہ کیا ہے۔''

اہلِ سنت کے نزدیک ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے' خواہ وہ تمام عمر اہل قبلہ میں سے رہا ہو۔

احمدیوں کا مسئلہ اتنا سادہ ہے کہ قارئین یہ فیصلہ خود کر سکتے کہ احمدی ضروریاتِ دین کے منکر ہیں یا نہیں! ضروریاتِ دین میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا شامل ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے جانشین حکیم نور الدین کے انتقال کے بعد احمدیہ جماعت دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک دھڑا جس کی قیادت مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحب زادے مرزا بشیر الدین محمود کر رہے تھے' جماعتِ احمدیہ قادیان کہلایا۔ (اب اسے جماعتِ احمدیہ ربوہ کہتے ہیں) جب کہ دوسرا دھڑا جس کے قائد متحدہ جماعتِ احمدیہ کے ایک ممتاز رہنما مولوی محمد علی لاہوری تھے' جماعت احمدیہ لاہور کے نام سے موسوم ہوا۔ مرزا بشیر الدین محمود گروپ کا عقیدہ ہے کہ نبوت جاری ہے' مرزا غلام احمد صاحب قادیانی حقیقی نبی تھے اور ان کی نبوت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ مولوی محمد علی لاہوری گروپ کا کہنا ہے کہ بابِ نبوت بند ہے' مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد' مہدی معہود اور مسیح موعود تھے اور ان کے دعوے کا منکر مسلمان ہے' اگرچہ فاسق ہے۔

اجرائے نبوت کے عقیدے کے سبب جماعتِ احمدیہ ربوہ کا مسئلہ تو صاف ہے کہ یہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ جماعتِ احمدیہ لاہور کا عقیدہ ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اس کا کہنا ہے ''ہم ہر اُس شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے' مسلمان کہتے ہیں''۔ اپنے اس عقیدے کے سبب جماعتِ احمدیہ لاہور' جماعتِ احمدیہ ربوہ کی تکفیر سے انکار کرتی ہے اور آں حضرت ﷺ کے بعد اجرائے نبوت کے قائلین کو مسلمان قرار دیتی ہے۔ حوالے کے لیے ملاحظہ ہو شکیل عثمانی صاحب کا مضمون ''جنابِ جاوید غامدی اور جماعتِ احمدیہ لاہور' مخمصے میں'' اور مولوی محمد علی لاہوری صاحب کا کتابچہ:

Sir Muhammad Iqbal's statement regarding the Qadianis

اس لیے اس کے بارے میں بھی شرعی حکم وہی ہوگا جو جماعتِ احمدیہ ربوہ کے بارے میں ہے۔

جماعتِ احمدیہ لاہور کی ایک اور وجہ کفر یہ ہے کہ یہ حقیقتِ ثابتہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ اپنے آپ کو لغوی معنی میں نبی (پیشین گوئیاں کرنے والا) نہیں کہتے بلکہ اللہ کا بنایا ہوا نبی قرار دیتے ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے انھیں نبی کے نام سے پکارا اور ان کا نام نبی رکھا۔ نیز ان کا ارشاد ہے:

''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا' مسلمان نہیں ہے۔''

اس سلسلے میں حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا سمیع الحق کی مرتبہ کتاب ''قادیانی فتنہ اور ملتِ اسلامیہ کا موقف''۔ ادارۃ المعارف کراچی کی شائع کردہ اس کتاب کے سرورق پر عنوان کے نیچے خفی فونٹ میں لکھا گیا ہے: ''قومی اسمبلی پاکستان میں قادیانیوں کے بارے میں ملتِ اسلامیہ کا بیان' جس پر قادیانیوں کو متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اس کتاب کے مرتّبین کا کہنا ہے: ''مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے' لہٰذا اس کو کافر کہنے کی بجائے دینی پیشوا قرار دینے والا مسلمان نہیں ہوسکتا''۔ واضح رہے کہ جماعت احمدیہ لاہور مرزا صاحب کی تمام تحریروں کو درست سمجھتی ہے اور انہیں مجدد' مہدی' معہود اور مسیح موعود مانتی ہے۔

آخر میں ہم بالخصوص جناب جاوید احمد غامدی صاحب سے گزارش کرتے ہیں کہ مسئلہ تکفیر کے بارے میں اپنے اختیار کردہ موقف کے سبب وہ جس مخمصے میں ہیں' اس سے جلد نکل آئیں۔

بقیہ: عرضِ احوال

لہٰذا اگر ہم نے دہشت گردی سے اپنے معاشرے کو مکمل طور پر پاک کرنا ہے تو اس کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس ''مشرف ڈاکٹرائن'' سے جان چھڑائی جائے۔ امتیازی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر ہر طرح کے سلوک کی بجائے تمام طبقات کو مساوی حقوق دیے جائیں' ایک خاص طبقے کو نشانہ بنانے اور دوسروں کو ناجائز تحفظ دینے کی روش کو ترک کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے باہمی رشتوں کو دوبارہ اسلام کی بنیاد پر استوار کیا جائے اور اپنے ہمسایہ مسلم معاشروں سے بھی دوبارہ اسی بنیاد پر رشتے استوار کیے جائیں۔ ''سب سے پہلے پاکستان'' کی بجائے ''سب سے پہلے اسلام'' کی بنیاد پر ازسرِنو پالیسیاں ترتیب دی جائیں تو' ان شاء اللہ' دہشت گردی کا مکمل خاتمہ ہوسکتا ہے اور انڈیا اور امریکہ چاہتے ہوئے بھی ہمارے امن و سکون سے نہیں کھیل سکیں گے۔ ہمیں یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس وقت افغانستان میں عام افغانیوں کی نہیں بلکہ امریکہ کی قائم کردہ کٹھ پتلی حکومت قائم ہے اور وہ پاکستان میں تمام تخریبی کارروائیاں امریکہ کی شہ پر کر رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت پاکستان افغان عوام سے اپنے تعلقات کو مضبوط کرے۔ افغانستان میں صحیح معنوں میں نمائندہ حکومت قائم ہو جائے تو پاکستان اور افغانستان کے تعلقات ایک بار پھر مثالی تعلقات بن سکتے ہیں۔ ❁❁❁

Mar. 2017
Vol.66
Regd. CPL No.115
No.3
Monthly **Meesaq** Lahore

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مدرسہ کُلّیۃ القُرآن لاہور

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

’’تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سکھاتے ہیں۔‘‘ (حدیث نبویﷺ)

درسِ نظامی (آٹھ سالہ کورس) کے پہلے سال میں

داخلے شروع

خصوصیات

- ☆ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے کی کلاسز
- ☆ ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے کلی یا جزوی کفالت کی سہولت
- ☆ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ / پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
- ☆ کلاس میں نمایاں پوزیشن لینے والے طلبہ کے لیے وظائف
- ☆ تقریر اور تحریر کی مہارت کے لیے نامور اساتذہ کی راہنمائی

شیڈول برائے داخلہ

- ☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ 20 مارچ 2017ء
- ☆ انٹرویو اور تحریری ٹیسٹ 20 مارچ 2017ء
- ☆ کلاس کا آغاز 21 مارچ 2017ء

اہلیت برائے داخلہ

- ☆ آٹھویں جماعت پاس طلبہ داخلہ فارم جمع کروا سکتے ہیں۔
- ☆ عمر 14 تا 16 سال (حفاظ کے لیے عمر میں دو سال کی رعایت)
- ☆ صرف پاکستان کے شہری

برائے معلومات
دفتری اوقات کے دوران 042-35833637
دفتری اوقات کے بعد 0301-4882395

المعلن
حافظ عاطف وحید، ناظم تعلیمات